ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ
اکتوبر ۲۰۱۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک

احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ!

امیر تنظیم اسلامی اور امیر تحریک اسلامی کے خطابات

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(ساتواں ایڈیشن) —— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(پانچواں ایڈیشن) —— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) —— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(دوسرا ایڈیشن) —— صفحات 394، قیمت 450 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مریم تا سُورۃ السّجدۃ
(پہلا ایڈیشن) —— صفحات 480، قیمت 550 روپے

٭ عمدہ طباعت ٭ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ٭ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَمِیۡثَاقَهُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۫ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 62

شمارہ : 10

ذوالحجہ 1434ھ

اکتوبر 2013ء

فی شمارہ 25/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 3
ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن 7
سورۃ ابراھیم (آیات ۲۴ تا ۵۲) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ 23
پاکستان میں احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ — حافظ عاکف سعید

احساسِ زیاں 41
پاکستان میں احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ — حافظ زاہد حسین

گاھے گاھے باز خواں 51
نفاذِ اسلام کے لیے علمائے کرام کے بائیس نکات — ادارہ

تازہ خواھی داشتن 54
مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر علماء کرام کا تبصرہ — ادارہ

فتنۂ عجم 69
قادیانیت کے خلاف اٹھنے والی
تحریکِ ختمِ نبوت کا تاریخی جائزہ — حافظ محمد زاہد

اسلام اور سائنس 80
مسلمان کا نظامِ اوقات اور حیاتیاتی گھڑی — محبوب الحق عاجز

مشاھدات و تأثرات 85
دیارِ غیر میں چند ہفتے — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ

سورۃ التّین میں اللہ ربّ العزت فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵﴾ ’’ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اسے پھیر کر کر دیا نچلوں میں سب سے نچلا‘‘۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی معاشرہ بحیثیت مجموعی ’’احسن تقویم‘‘ کی تصویر بنا بہت کم نظر آتا ہے‘ جبکہ اپنے رب سے بغاوت اور اپنے بھائی بندوں کا استحصال انسانوں کی اکثریت کا وطیرہ رہا ہے۔ اگرچہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کے علاوہ بھی ایسے ایسے اللہ کے بندے انسانی معاشرے کا حصہ رہے ہیں کہ ان کے زہد و تقویٰ پر فرشتے بھی آسمانوں میں رشک کرتے‘ لیکن ان کی تعداد کُل انسانی آبادی کا انتہائی قلیل حصہ ہوتی تھی۔ انسانی تاریخ جوں جوں اپنا سفر طے کرتے ہوئے آگے بڑھتی جا رہی ہے سوسائٹی صحیح معنوں میں ’’اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ‘‘ کی تصویر بنتی جا رہی ہے۔

امریکہ اور یورپ جو آج ترقی یافتہ اقوام تصور کی جاتی ہیں‘ انہوں نے ریاست کو اپنا معبود بنایا‘ چنانچہ اپنے ہم قوم‘ ہم وطن کو دھوکہ دینا قوم پرستی کے خلاف مانا جاتا ہے۔ دیانت داری کو بطور پالیسی کے اپنایا۔ قوم پرستی کی اس پالیسی نے دنیوی لحاظ سے انہیں بہت ترقی دی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی نے انہیں دفاعی لحاظ سے بھی مضبوط اور مستحکم کیا اور ظاہری چمک دمک بھی دی۔ لیکن عریانی‘ فحاشی اور بے حیائی کا وہ طوفان اٹھا کہ جانور اور انسان کا فرق جاتا رہا۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ باپ نے بیٹی کے ساتھ اور بیٹے نے ماں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کیے۔

عالمِ اسلام جو دو صدیوں سے زوال پذیر ہے‘ اس کے اس سفر میں روز بروز تیزی آتی جا رہی ہے اور عیسائی دنیا کی اس ظاہری چمک دمک سے حد درجہ متاثر بلکہ مرعوب ہے۔ اکثر مسلمان مغرب کی نقالی میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ریاستی سطح پر عالم اسلام سیاسی اور معاشی نظام کے حوالے سے تو ان کی مکمل غلامی اختیار کر چکا ہے‘ البتہ معاشرتی سطح پر عالم اسلام خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ذہنی طور پر پسپائی اختیار کر چکے ہیں‘ لیکن ابھی کچھ تحفظات ہیں‘ کچھ روایات ہیں جو مغربی معاشرت کو مکمل طور پر اختیار کرنے میں حائل ہیں۔ لہٰذا معاشرتی لحاظ سے پاکستانی معاشرہ آدھا تیتر آدھا بٹیر ہے۔ اسلامی معاشرت جو مرد و زن کو صحیح اور جائز مقام دیتی ہے‘ اس کی پابندیاں ہم پر بڑی

گراں گزرتی ہیں‘ لہٰذا مسلمانانِ پاکستان اسلامی معاشرت سے تو بہت دور ہو چکے ہیں‘ الاّ ماشاء اللہ‘ البتہ عوامی سطح پر کچھ مشرقی روایات ہیں جو مغربی معاشرت کے راستے میں کسی حد تک حائل ہیں‘ لیکن مغربی معاشرت ہر سطح پر نفوذ کر رہی ہے اور مشرقی روایات بھی بتدریج دم توڑ رہی ہیں۔ بہرحال اس وقت ہم معاشرتی لحاظ سے نہ گھر کے رہے ہیں نہ گھاٹ کے۔

معاشرتی حوالے سے ہماری اس بدقسمتی کا آغاز اس وقت ہوا جب پرویز مشرف نامی ایک جرنیل کتے گود میں لیے جبراً پاکستان پر مسلط کر دیا گیا۔ اس نے روشن خیالی کے نام سے پاکستان میں عریانی اور بے حیائی کو عام کیا۔ پھر میڈیا کو آزاد کرنے کی عار میں نت نئے نیوز چینلز کا سلسلہ شروع ہوا تو فحاشی اور بے حیائی ایک سیلاب کی صورت میں پاکستان کو بہا کر لے گئی۔ جنسی جذبہ ایک فطری جذبہ ہے‘ اسے دبایا نہیں جا سکتا‘ تعلیم و تربیت کے ذریعے اسے صحیح رخ پر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام اس معاملے میں بہت حساس ہے۔ جس پاک ذات نے انسان کی تخلیق کی ہے اور اس میں جنسی خواہش رکھی ہے اسے صحیح رخ پر ڈالنے کے لیے اس سے بہتر کون رہنمائی دے سکتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت کا معاملہ تیل اور آگ کا معاملہ ہے‘ لہٰذا عورت کو پردے کا حکم ہوا اور مرد کو غضِ بصر کا حکم دیا گیا۔ مخلوط محافل سے روک دیا گیا۔ عورت کے لیے محرم اور نامحرم کا فرق واضح کیا گیا۔ اسے اپنی زینت کو چھپانے کا حکم دیا گیا اور اہم ترین بات یہ کہ شادی کو آسان بنایا گیا۔ میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہونے کے لیے نکاح کی رسم صرف چند منٹوں میں کوئی قابل ذکر رقم خرچ کیے بغیر ادا ہو جاتی ہے۔ صرف اعلانِ عام اور چند گواہوں کے سامنے قول و قرار کی ضرورت ہے۔ دلہا کو دلہن کا حق مہر مقرر کرنا ہوتا ہے جو معجّل یا غیر معجّل عند الطلب بھی ہو سکتا ہے۔ دلہا حق مہر اپنی مالی حیثیت کے مطابق طے کرتا ہے۔

پاکستان کے حکمرانوں اور خود مسلمانوں نے اپنے آپ پر یہ ظلم ڈھایا کہ ایک طرف پاکستان کا میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا نوجوانوں کے جنسی جذبات کو انگیخت کرتا ہے‘ ایسے مناظر دکھائے جاتے ہیں‘ ایسی فحش تحریریں مارکیٹ میں دستیاب ہیں‘ ڈراموں میں ایسے لچر ڈائیلاگ بولے جاتے ہیں کہ نوجوانوں کے لیے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف جنسی جذبے کی تسکین کے جائز راستے یعنی شادی کو اس قدر مشکل بنا دیا گیا ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ خلیج عبور کرنی بہت مشکل دکھائی دیتی ہے۔ اس ساری صورت حال کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ معاشرے میں بے حیائی پھیلنے کے باوجود پاکستان کا معاشرہ ابھی تک free sex معاشرہ نہیں بن سکا‘ لہٰذا بپھرے ہوئے جنسی جذبات کی تکمیل کے لیے کوئی راہ نہیں نکلتی۔ پھر کوئی درندہ صفت انسان کسی معصوم بچی کے ساتھ وہ انسانیت سوز سلوک کرتا ہے کہ ساری قوم کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ آج کل پاکستان میں اور خصوصاً پنجاب میں پے در پے ایسے لرزا دینے والے واقعات ہو رہے ہیں جس پر خود ہی

(باقی صفحہ 97 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ ابرٰھِیم

آیات ۲۴ تا ۲۷

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُہَا ثَابِتٌ
وَّ فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّہَا ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ
الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَ مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیۡثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیۡثَۃِ
ۣاجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَہَا مِنۡ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ ۟ۙ
وَ یَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾

آیت ۲۴ ﴿اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی ہے کلمۂ طیبہ کی!“

کلمۂ طیبہ سے عام طور پر تو کلمۂ توحید ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ“ مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ افضل الذکر ہے' لیکن یہاں کلمہ طیبہ سے توحید پر مبنی عقائد و نظریات' بھلائی کی ہر بات' کلامِ طیب اور حق کی دعوت مراد ہے۔

﴿کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُہَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾﴾ ”(اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک پاکیزہ درخت' اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں۔“

آیت ۲۵ ﴿تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّہَا ؕ﴾ ”یہ (درخت) ہر فصل میں اپنا پھل لاتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔“

اس درخت کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں' اس کی شاخیں آسمان سے

باتیں کر رہی ہیں اور اس کا پھل بھی متواتر آ رہا ہے۔

﴿وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ ”اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت اخذ کریں۔“

کوئی بھلائی کا کام ہو' نیکی کی دعوت ہو' راہِ حق کی کوئی تحریک ہو' جس نے بھی ایسی کسی نیکی کی ابتدا کی اس نے گویا اپنے لیے ایک بہت عمدہ پھلدار درخت لگا لیا۔ یہ درخت جب تک باقی رہے گا اپنے اثرات و ثمرات سے نہ معلوم کس کس کو فیض یاب کرے گا۔ جیسے کسی نے بھلائی کی دعوت دی اور اس دعوت کو کچھ لوگوں نے قبول کیا' انہوں نے اس دعوت کو مزید آگے پھیلایا' یوں اس نیکی کا حلقۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا اور نہ معلوم مستقبل میں ایسے نیک اثرات مزید کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْءٌ ' وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ))(۱)

”جس کسی نے اسلام میں کسی نیک کام کا آغاز کیا تو اُس کے لیے اس کام کا اجر بھی ہوگا اور بعد میں جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا' لیکن ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری شے کا آغاز کیا تو اس پر اس کا گناہ بھی ہوگا اور بعد میں جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا' مگر ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔“

آیت ۲۶ ﴿وَ مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیۡثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیۡثَۃِ ۣاجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَہَا مِنۡ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾﴾ ”اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھٹیا درخت (جھاڑ جھنکاڑ)' جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جائے' اُس کے لیے کوئی قرار نہیں۔“

بھلائی اور اس کے اثرات کے مقابلے میں برائی' برائی کی دعوت اور برائی کے اثرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت عمدہ' مضبوط اور پھلدار درخت کے مقابلے میں جھاڑ جھنکاڑ۔

(۱) صحيح مسلم' كتاب الزكاة' باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة او كلمة طيبة۔

نہ اس کی جڑوں میں مضبوطی، نہ وجود کو ثبات، نہ سایہ، نہ پھل۔ برائی بعض اوقات لوگوں میں رواج بھی پا جاتی ہے، انہیں بھلی بھی لگتی ہے اور اس کی ظاہری خوبصورتی میں لوگوں کے لیے وقتی طور پر کشش بھی ہوتی ہے۔ جیسے مالِ حرام کی کثرت اور چمک دمک لوگوں کو متاثر کرتی ہے مگر حقیقت میں نہ تو برائی کو ثبات اور دوام حاصل ہے اور نہ اس کے اثرات میں لوگوں کے لیے فائدہ!

آیت ۲۷ ﴿یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ﴾ ’’اللہ ثبات عطا کرتا ہے اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔‘‘

یہاں قولِ ثابت سے مراد ایمان ہے۔ آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والا شخص دنیا کے اندر اپنے کردار اور نظریات میں مضبوط اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اس کے حوصلے، اس کے موقف اور اس کی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ استقامت بخشتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اسی طرح کا ثبات آخرت میں بھی عطا ہوگا۔

﴿وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ ۟ۙ وَ یَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ﴿٪۲۷﴾﴾ ’’اور گمراہ کر دیتا ہے اللہ ظالموں کو، اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔‘‘

آیات ۲۸ تا ۳۴

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿ۙ۲۸﴾ جَہَنَّمَ ۚ
یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ قُلۡ
تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ
وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا
خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ
بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ﴿ۚ۳۲﴾ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَ سَخَّرَ
لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ﴿ۚ۳۳﴾ وَ اٰتٰىکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا
تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ﴿٪۳۴﴾

آیت ۲۸ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا﴾ ’’کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا کفر سے‘‘

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی نعمت سے نوازا تھا، مگر انہوں نے ہدایت ہاتھ سے دے کر ضلالت اور گمراہی خرید لی۔ اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب سے کفر کر کے انہوں نے اللہ کی نعمت سے خود کو محروم کر لیا۔

﴿وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿۲۸﴾﴾ ’’اور انہوں نے اپنی قوم کو لا اتارا تباہی کے گھر میں۔‘‘

جیسے سورۂ ہود، آیت ۹۸ میں فرعون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ روزِ محشر وہ اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا آئے گا اور اس پورے جلوس کو لا کر جہنم کے گھاٹ اتار دے گا۔ اسی طرح تمام قوموں اور تمام معاشروں کے گمراہ لیڈر اپنے اپنے پیروکاروں کو جہنم میں پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾﴾ ’’یہ (دار البوار) جہنم ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کے مدّ مقابل (شریک) ٹھہرا دیے ہیں تاکہ گمراہ کریں لوگوں کو اُس کے راستے سے۔‘‘

یعنی انہوں نے جھوٹے معبودوں کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر گمراہ کر دیں۔ ’’انداد‘‘ جمع ہے ’نِد‘ کی، اس کے معنی مدمقابل کے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا﴾ ’’تو اللہ کے مدمقابل نہ ٹھہرایا کرو‘‘۔ اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے محاورۃً عرض کیا: مَاشَاءَ اللّٰہُ وَمَا شِئۡتَ ’’جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں‘‘ تو آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((أَجَعَلۡتَنِیۡ لِلّٰہِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ))(۱) ’’کیا تو نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے!‘‘ یعنی مشیت تو اللہ ہی کی ہے، جو ہوگا اسی کی مشیت اور مرضی سے ہوگا۔ اختیار صرف اُسی کا ہے، اور کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

(۱) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہابؒ نے ’’کتاب التوحید‘‘ میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((أَجَعَلۡتَنِیۡ وَاللّٰہَ عَدۡلًا)) ’’کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟‘‘ (مرتب)

﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾﴾ ’’آپؐ کہیے کہ (دنیا کی زندگی میں) تم فائدہ اٹھالو‘ پھر یقیناً تمہارا لوٹنا آگ ہی کی طرف ہے۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ’’آپؐ کہیے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں‘‘

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اہلِ ایمان کو بالواسطہ حکم دیا جا رہا ہے اور یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ پورے مکی قرآن میں یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے براہِ راست مسلمانوں سے خطاب نہیں کیا گیا۔ (سورۃ الحج میں ایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں مگر اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔) اس میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آئی ہے وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا طرزِ خطاب اُمت کے لیے ہے اور مکی دور میں مسلمان ابھی ایک اُمت نہیں بنے تھے۔ مسلمانوں کو اُمت کا درجہ مدینہ میں آ کر تحویلِ قبلہ کے بعد ملا۔ پچھلے دو ہزار برس سے اُمتِ مسلمہ کے منصب پر یہودی فائز تھے۔ انہیں اس منصب سے معزول کر کے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اُمتِ مسلمہ کا درجہ دیا گیا اور تحویلِ قبلہ اس تبدیلی کی ظاہری علامت قرار پایا۔ یعنی یہودیوں کے قبلہ کی حیثیت بطورِ قبلہ ختم کرنے کا مطلب یہ قرار پایا کہ انہیں اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ذریعے مسلمانوں سے خطاب اس کے بعد شروع ہوا۔

﴿وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾﴾ ’’اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہیں خفیہ اور علانیہ‘ اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔‘‘

یہ آیت سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۴ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ وہاں بیع اور دوستی کے علاوہ شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ﴾۔ یعنی اُس دن سے پہلے پہلے ہمارے عطا کردہ رزق

میں سے خرچ کر لو جس میں نہ کوئی بیع ہو گی‘ نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کسی کی شفاعت فائدہ مند ہو گی۔

آیت ۳۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی‘ پھر نکالا اس کے ذریعے سے پھلوں کی شکل میں تمہارے لیے رزق۔‘‘

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿٣٢﴾﴾

’’اور مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو کہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے‘ اور اس نے مسخر کر دیے تمہارے لیے دریا (اور نہریں وغیرہ)۔‘‘

آیت ۳۳ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾﴾

’’اور مسخر کر دیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو‘ کہ مسلسل چل رہے ہیں‘ اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات کو اور دن کو۔‘‘

ان تمام چیزوں کے گنوانے سے انسان کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ زمین کے دامن اور آسمان کی وسعتوں میں اللہ کی تمام تخلیقات اور فطرت کی تمام قوتیں مسلسل انسان کی خدمت میں اس کی نفع رسانی کے لیے مصروفِ کار ہیں اور وہ اس لیے کہ اس کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو سب مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے یہ بساطِ کون و مکان انسان ہی کے لیے بچھائی ہے اور باقی تمام اشیاء کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی ضروریات پوری کریں۔ یہی بات سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۹ میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ﴾ یعنی یہ زمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ نے تمہارے (انسانوں کے) لیے پیدا کیا ہے۔ اور ان چیزوں کو تمہاری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ﴾ ’’اور اُس نے تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے اُس سے مانگا۔‘‘

یہ مانگنا شعوری بھی ہے اور غیر شعوری بھی۔ یعنی وہ تمام چیزیں بھی اللہ نے ہمارے لیے فراہم کی ہیں جن کا تقاضا ہمارا وجود کرتا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ان کی

ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان کو پوری طرح شعور نہیں ہے کہ اسے کس کس انداز میں کس کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کی ضرورت کی یہ چیزیں اسے کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دُنیوی زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اسباب و نتائج کے ایسے ایسے سلسلے پیدا کر دیے ہیں جن کا احاطہ کرنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اللہ نے بہت سی ایسی چیزیں بھی پیدا کر رکھی ہیں جن سے انسان کی ضرورتیں انجانے میں پوری ہو رہی ہیں۔ مثلاً ایک وقت تک انسان کو کب پتا تھا کہ کون سی چیز میں کون سا وٹامن پایا جاتا ہے۔ مگر وہ وٹامنز مختلف غذاؤں کے ذریعے سے انسان کی ضرورتیں اس طرح پوری کر رہے تھے کہ انسان کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ بہر حال اللہ ہمیں وہ چیزیں بھی عطا کرتا ہے جو ہم اس سے شعوری طور پر مانگتے ہیں اور وہ بھی جو ہماری زندگی اور بقا کا فطری تقاضا ہیں۔

﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو نہیں گن سکو گے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ناشکرا ہے۔''

انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو گن سکے۔ کَفّار (ک کی زبر کے ساتھ) یہاں فَعّال کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے‘ یعنی ناشکری میں بہت بڑھا ہوا۔

آیات ۳۵ تا ۴۱

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ
الۡاَصۡنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ
مِنِّىۡ‌ ۚ وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ
بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ
اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾
رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ‌ ؕ وَمَا يَخۡفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ فِى
الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِيۡلَ
وَاِسۡحٰقَ‌ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجۡعَلۡنِىۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ

وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ‌ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَىَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَوۡمَ
يَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾

آیت ۳۵ ﴿وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور یاد کرو جب کہا ابراہیمؑ نے کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو بنا دے امن کی جگہ اور بچائے رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم بُتوں کی پرستش کریں۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کے پندرھویں رکوع کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ماقبل زمانہ کی جو تاریخ ہمیں معلوم ہوئی ہے اس کے مطابق اس دور کی سب سے بڑی گمراہی بت پرستی تھی۔ آپؑ سے پہلے کی تمام اقوام اسی گمراہی میں مبتلا تھیں۔ آپؑ کی اپنی قوم کا اس سلسلے میں یہ حال تھا کہ انہوں نے ایک بہت بڑے بت خانے میں بہت سے بت سجا رکھے تھے۔ انہی بتوں کا سورۃ الانبیاء میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو توڑا تھا۔ اس کے علاوہ آپؑ کی قوم ستاروں کی پوجا بھی کرتی تھی‘ جبکہ نمرود نے انہیں سیاسی شرک میں بھی مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اختیارِ مطلق کا دعویدار تھا اور جس چیز کو وہ چاہتا جائز قرار دیتا اور جس کو چاہتا ممنوع۔

آیت ۳۶ ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ ۚ﴾ ''اے میرے پروردگار! ان بُتوں نے (پہلے بھی) بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ تو جو کوئی میری پیروی کرے وہ تو بلاشبہ مجھ سے ہے''

میں نے خود کو ہر قسم کے شرک سے پاک کر لیا ہے‘ اب جو لوگ میری پیروی کریں‘ شرک سے دُور رہیں‘ توحید کے راستے پر چلیں‘ ایسے لوگ تو میرے ہی ساتھی ہیں‘ اُن کے ساتھ تو تیرا وعدہ پورا ہو گا۔

﴿وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت کے بارے میں ہم سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ﴿۷۵﴾﴾ کہ آپؑ بہت ہی نرم دل‘ حلیم الطبع اور ہر وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ چنانچہ جب گنہگاروں کا ذکر ہوا ہے تو آپؑ نے

اللہ کی صفاتِ غفاری اور رحیمی کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ بالکل اسی انداز میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی التجا کا ذکر سورۃ المائدۃ میں آیا ہے: ﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ یعنی پروردگار! اگر تو انہیں عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، تو جس طرح چاہے انہیں عذاب دے، تیرا اختیار مطلق ہے۔ لیکن اگر تو انہیں معاف کر دے تو بھی تیرے اختیار اور تیری حکمت پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔

آیت ۳۷ ﴿رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ﴾ ”اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس“

اے ہمارے پروردگار! تیرے حکم کے مطابق میں نے یہاں تیرے اس محترم گھر کے پاس اپنی اولاد کو لا کر آباد کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں پہلے رَبِّ، رَبِّ (اے میرے پروردگار!) کا صیغہ آ رہا تھا مگر اب ”رَبَّنَا“ جمع کا صیغہ آ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپؑ کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں پر عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ کے الفاظ سے اُن روایات کو بھی تقویت ملتی ہے جن کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ ابتدائی زمانہ میں گر گیا اور سیلاب کے سبب اس کی دیواریں وغیرہ بھی بہہ گئیں، صرف بنیادیں باقی رہ گئیں۔ ان ہی بنیادوں پر پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۷ میں ملتا ہے: ﴿وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ ؕ﴾۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کر رہے ہیں:

﴿رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں، تو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے“

لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا ہو جائے، لوگ اطراف و جوانب سے اُن کے پاس آئیں، تاکہ اس طرح اُن کے لیے یہاں رہنے اور بسنے کا بندوبست ہو سکے۔

﴿وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ”اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے، تاکہ وہ شکر ادا کریں۔“

آیت ۳۸ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّکَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں۔“

﴿وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾﴾ ”اور اللہ پر تو کوئی شے مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔“

آیت ۳۹ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ﴾ ”کُل شکر اور کُل ثنا اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے عطا فرمائے، باوجود بڑھاپے کے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ (جیسے بیٹے)۔“

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۱ برس تھی اور اس کے کئی سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

﴿اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾﴾ ”یقیناً میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔“

آیت ۴۰ ﴿رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ﴾ ”اے میرے پروردگار! مجھے بنا دے نماز قائم کرنے والا اور میری اولاد میں سے بھی“

یعنی مجھے توفیق عطا فرما دے کہ میں نماز کو پوری طرح قائم رکھوں اور پھر میری اولاد کو بھی توفیق بخش دے کہ وہ لوگ بھی نماز قائم کرنے والے بن کر رہیں۔

﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾﴾ ”اے ہمارے پروردگار! میری اس دعا کو قبول فرما۔“

آیت ۴۱ ﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾﴾ ”اے ہمارے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور تمام مؤمنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔“

آیات ۴۲ تا ۵۲

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمۡ لِیَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِیۡهِ الۡاَبۡصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهۡطِعِیۡنَ مُقۡنِعِیۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا یَرۡتَدُّ اِلَیۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ ۚ وَاَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنۡذِرِ النَّاسَ یَوۡمَ یَاۡتِیۡهِمُ الۡعَذَابُ فَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَکَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمۡ

تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ
مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ
الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ۭ
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾
وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ۚ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ
وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ۙ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ۧ

آیت ۴۲ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۭ﴾ ’’اور آپ ہرگز نہ سمجھیں اللہ کو غافل اُس سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔‘‘

﴿اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾﴾ ’’یقیناً وہ انہیں مہلت دے رہا ہے اُس دن تک جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ ﴿۴۳﴾﴾

’’وہ دوڑتے ہوں گے (محشر کی طرف) اپنے سروں کو اوپر اٹھائے‘ نہیں لوٹے گی ان کی طرف ان کی نگاہ‘ اور ان کے دل اُڑے ہوئے ہوں گے۔‘‘

خوف اور دہشت کے سبب نظریں ایک جگہ جم کر رہ جائیں گی اور اِدھر اُدھر حرکت کرنا بھی بھول جائیں گی۔ یہ میدانِ حشر میں لوگوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

آیت ۴۴ ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) خبردار کر دیجیے لوگوں کو اُس دن سے جب ان پر عذاب آئے گا‘‘

﴿فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ﴾ ’’تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی: اے ہمارے

پروردگار! ہمیں مہلت دے دے بس تھوڑی سی مدت تک‘ ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔‘‘

﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾﴾ ’’(جواب میں کہا جائے گا) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے۔‘‘

کہ ہمارا اقتدار‘ ہماری یہ شان و شوکت‘ ہماری یہ جاگیریں‘ یہ سب کچھ ہماری بڑی سوچی سمجھی منصوبہ بندیوں کا نتیجہ ہے‘ انہیں کہاں سے زوال آئے گا!

آیت ۴۵ ﴿وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ ’’اور تم آباد تھے ان ہی لوگوں کے مسکنوں میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا‘‘

تمہارے آس پاس کے علاقوں میں وہ قومیں آباد تھیں جو ماضی میں اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں۔ قومِ عاد بھی اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھی‘ قومِ ثمود کے مساکن بھی تمہیں دعوتِ عبرت دیتے رہے‘ قومِ مدین کا علاقہ بھی تم سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور قومِ لوط کے شہروں کے آثار سے بھی تم لوگ خوب واقف تھے۔

﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾﴾ ’’اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا‘ اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔‘‘

ان کے حالات پوری طرح کھول کر تم لوگوں کو سنا دیے گئے تھے۔ یہ تذکیر بایام اللہ کی تفصیلات کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں حضور ﷺ سے اسی سورت کی آیت ۵ میں خصوصی طور پر فرمایا گیا: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’کہ آپؐ اللہ کے دنوں (اقوامِ گزشتہ کے واقعاتِ عذاب) کے حوالے سے ان لوگوں کو خبردار کریں۔

آیت ۴۶ ﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ﴾ ’’اور انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں‘‘

اے قریشِ مکہ! جس طرح آج تم ہمارے نبی ﷺ کے خلاف اپنی چالیں چل رہے ہو اسی طرح تم سے پہلے والے لوگوں نے بھی کچھ کمی نہیں کی تھی۔ جہاں تک ان کا بس چلا تھا انہوں نے اپنی چالیں چلی تھیں۔ قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ‘ قومِ صالحؑ اور قومِ لوطؑ کے سرداروں نے

اپنے رسولوں کے خلاف جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اس کی تفصیلات ہم تمہیں سنا چکے ہیں۔ اور قومِ شعیبؑ کے سرداروں کی مجبوری کا ذکر بھی ہم کر چکے ہیں جو تم لوگوں کی مجبوری سے ملتی جلتی تھی۔ یعنی ان کا بے چارگی سے یہ کہنا کہ اگر تمہارا قبیلہ تمہاری پشت پر نہ ہوتا تو ہم اب تک تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ چنانچہ ہمارے لیے اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے تمہاری یہ چالیں' یہ سازشیں اور یہ ریشہ دوانیاں کوئی انہونی نہیں ہیں۔ البتہ تم لوگ اپنی پیشرو اقوام کے واقعات کے آئینے میں اپنے مستقبل اور انجام کی جھلک دیکھنا چاہو تو صاف دیکھ سکتے ہو۔ تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ تم سے پہلے ان مشرکین حق کی چالیں کس حد تک کامیاب ہوئیں اور تم تجزیہ کر سکتے ہو کہ ہر بار حق و باطل کی کش مکش کا آخری نتیجہ کیا نکلا۔

﴿وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾﴾ ''اور اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اُن کی تمام چالیں۔ اور ان کی چالیں ایسی تو نہ تھیں کہ اُن سے پہاڑ ٹل جاتے۔''☆

اللہ تعالیٰ ان کی تمام چالوں کا احاطہ کیے ہوئے تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے خلاف ان کا کوئی منصوبہ کامیاب ہو جاتا۔ بہرحال ان کی چالیں اور منصوبہ بندیاں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ ایسی نہیں تھیں کہ اُن کے سبب پہاڑ اپنی جگہ بدلنے پر مجبور ہو جاتے۔

آیت ۴۷ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ﴾ ''تو آپ یہ مت سمجھیں کہ اللہ اپنے اس وعدے کے خلاف کرے گا جو اُس نے اپنے رسولوں سے کیا۔''

یہاں پر رسول کے بجائے رُسل جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے' یعنی تمام رسولوں کے ساتھ اللہ کا یہ مستقل وعدہ رہا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور آخری کامیابی تمہاری ہی ہو گی۔ جیسا کہ سورۃ المجادلہ کی آیت ۲۱ میں فرمایا گیا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ﴾ یعنی اللہ نے طے کیا ہوا ہے' لکھ کر رکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔ درمیان میں کچھ اونچ نیچ ہو گی' تکلیفیں بھی آئیں گی' آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا ہو گا' مگر فتح ہمیشہ حزب اللہ ہی

☆ اس آیت کا یہ ترجمہ ''وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ'' میں ''اِنْ'' کو نافیہ مان کر کیا گیا ہے اور یہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے کے موافق ہے۔ بعض مفسرین نے ''اِنْ'' شرطیہ اور واوٴ اصلیہ مان کر ترجمہ یوں کیا ہے:
''اگرچہ ان کی یہ چالیں ایسی (زبردست) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔''
(اضافہ از مرتب)

کی ہو گی۔ آزمائشوں کے ان مراحل کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾﴾

''اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے' تو آپؐ صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیں۔''

اس کے بعد سورۃ البقرۃ میں ہی فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾

''کیا تم سمجھتے ہو کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں جیسی (مشکلات) تو پیش آئی ہی نہیں۔ اُن کو تو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچی تھیں اور وہ ہلا ڈالے گئے تھے' یہاں تک کہ پیغمبر اور اُن کے ساتھ جو مومنین تھے سب پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد' آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی مدد قریب ہے۔''

بہرحال اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے یہ پختہ وعدہ رہا ہے کہ حق و باطل کی اس کش مکش میں بالآخر فتح انہی کی ہو گی اور انہیں جھٹلانے والوں کو اُن کے سامنے سزا دی جائے گی۔ یہ ساری باتیں تفصیل سے قرآن میں بیان کی جا چکی ہیں تاکہ ان لوگوں کو کوئی شک نہ رہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔''

آیت ۴۸ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ ''جس دن زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے سوا (کسی اور شکل میں) اور آسمانوں کو بھی (بدل دیا جائے گا)''

یہ روزِ محشر کے منظر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلے میں قبل ازیں بھی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق یوں لگتا ہے جیسے محشر کا میدان اسی زمین کو بنایا جائے گا۔ اس کے لیے زمین کی شکل میں مناسب تبدیلی کی جائے گی' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الفجر میں اس تبدیلی کی ایک صورت اس طرح بتائی گئی ہے: ﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾﴾ ''جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کر دیا جائے گا''۔ پھر سورۃ الانشقاق میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾﴾ ''اور جب زمین کو کھینچا جائے گا''۔ اس طرح

تمام تفصیلات کو جمع کر کے جو صورت حال ممکن ہوتی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کے تمام نشیب و فراز کو ختم کر کے اسے بالکل ہموار بھی کیا جائے گا اور وسیع بھی۔ اس طرح اسے ایک بہت بڑے میدان کی شکل دے دی جائے گی۔ جب زمین کو ہموار کیا جائے گا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے‘ زمین کے پچکنے سے اس کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا اور سمندر بھاپ بن کر اُڑ جائیں گے۔ اسی طرح نظامِ سماوی میں بھی ضروری ردّ و بدل کیا جائے گا‘ جس کے بارے میں سورۃ القیامہ میں اس طرح بتایا گیا ہے: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹﴾ یعنی سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

حال ہی میں ایک صاحب نے ’’The Machanics of the Doom's Day‘‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ صاحب ماہر طبیعیات ہیں۔ میں نے اس کتاب کا پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کی طرف اس سے پہلے توجہ نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے ان کی یہ باتیں یقیناً قابل غور ہیں۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ قیامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت پوری کائنات ختم ہو جائے گی‘ بلکہ یہ واقعہ صرف ہمارے نظامِ شمسی میں رونما ہوگا۔ جس طرح اس کائنات کے اندر کسی گلیکسی یا کسی گلیکسی کے کسی حصے کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اسی طرح ایک وقت آئے گا جب ہمارا نظامِ شمسی تباہ ہو جائے گا اور تباہ ہونے کے بعد کچھ اور شکل اختیار کر لے گا۔ ہماری زمین بھی چونکہ اس نظام کا حصہ ہے‘ لہٰذا اس پر بھی ہر چیز تباہ ہو جائے گی‘ اور یہی قیامت ہوگی۔ واللہ اعلم!

﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۴۸﴾ ’’اور یہ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے سامنے جو واحد و قہار ہے۔‘‘

سورۃ الفجر میں اس وقت کا منظر بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۱ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ......﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ اس وقت نزول فرمائے گا‘ فرشتے بھی قطار در قطار آئیں گے اور جہنم بھی سامنے پیش کر دی جائے گی......‘‘ اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے کی کیفیت کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے‘ لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس نزول کی کیفیت کیا ہوتی ہے‘ اسی طرح آج ہم نہیں جان سکتے کہ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ زمین پر نزول فرمائے گا تو اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ ممکن ہے تب اس کی حقیقت ہم پر منکشف کر دی جائے۔

آیت ۴۹ ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝۴۹﴾ ’’اور تم دیکھو گے مجرموں کو اُس روز کہ وہ جکڑے ہوئے ہوں گے باہم زنجیروں میں۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝۵۰﴾ ’’ان کے کرتے ہوں گے گندھک کے اور ڈھانپے ہوئے ہوگی ان کے چہروں کو آگ۔‘‘

آیت ۵۱ ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۵۱﴾ ’’تاکہ اللہ بدلہ دے دے ہر جان کو جو کچھ بھی اُس نے کمایا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘

اُس دن اللہ تعالیٰ کو اتنے زیادہ لوگوں کا حساب لیتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔

آیت ۵۲ ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ ’’یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کے لیے‘‘

اس قرآن اور اس کے احکام کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہم نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ڈالی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کر دی ہے۔ اب یہ ذمہ داری آپ ﷺ کی اُمت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ پیغام تمام انسانوں تک پہنچائے۔

﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ ’’تاکہ وہ اس کے ذریعے سے خبردار کر دیے جائیں‘‘

یعنی اس قرآن کے ذریعے سے تمام انسانوں کی تذکیر و تنذیر کا حق ادا ہو جائے۔ اس حوالے سے سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ کے یہ الفاظ بھی یاد کر لیجیے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ ’’یہ قرآن میری طرف سے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کر دوں اس کے ذریعے سے تمہیں بھی اور (ہر اُس شخص کو) جس تک بھی یہ پہنچ جائے۔‘‘

﴿وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۵۲﴾ ’’اور تاکہ وہ جان لیں کہ صرف وہی معبود ہے اکیلا‘ اور اس لیے کہ نصیحت اخذ کریں عقل والے لوگ۔‘‘

بارك الله لى ولكم فى القرآنِ العظيم‘ ونفعنى وايّاكم بالايات والذكر الحكيم oo

[تمّت سُورۃُ ابراهِيم]

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ!

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

تحریکِ اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام اتوار ۲۳ جون ۲۰۱۳ء کو کراچی میں ایک مذاکرہ بعنوان ''پاکستان میں اُس کے قیام سے اب تک احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ!'' کا انعقاد کیا گیا' جس میں بعض معاصر اسلامی تنظیموں کے قائدین کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تھی' جن میں امیر جماعت اسلامی سید منور حسن صاحب کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کے امیر بھی شامل تھے۔ اس موقع پر کیے گئے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ اور امیر تحریک اسلامی حافظ زاہد حسین حفظہ اللہ کے خطابات نذرِ قارئین کیے جا رہے ہیں۔ ان خطابات میں ۳۱ علماء کے بائیس نکات' فیملی لاز آرڈیننس کے خلاف علماء کا متفقہ فتویٰ اور تحریک ختم نبوت کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ اس مناسبت سے یہ مواد بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ اس اعتبار سے پیش نظر شمارہ ایک دستاویزی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ (ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۞ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۞ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۞ (الصف)

قابلِ صد احترام برادرم حافظ زاہد حسین صاحب' سید منور حسن صاحب' مولانا زاہد الراشدی صاحب اور عزیز دوستو!

سب سے پہلے میں آج کی اس تقریب کے انعقاد پر امیر تحریک اسلامی حافظ زاہد حسین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے بہت ہی مناسب موقع پر اس اہم مذاکرے کا انعقاد کیا' جس کا عنوان ہے: ''پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ!'' —— اس عنوان کے بین السطور یہ بھی ہے کہ ان کوششوں کے نتیجے میں اگر کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو پھر سر جوڑ کر بیٹھا جائے اور مل کر اپنے طرزِ عمل اور راہِ عمل پر نظر ثانی کی جائے اور کوئی ممکنہ متبادل راستہ تجویز کیا جائے۔

حالیہ انتخابات نے ان دینی سیاسی قوتوں کو جو کم وبیش گزشتہ ساٹھ سال سے اس ملک میں مروجہ الیکشن کے راستے سے اسلامی نظام کے قیام اور شریعت اسلامی کے نفاذ کی جدوجہد میں مشغول ومصروف ہیں' بجا طور پر یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے طریق کار اور منہاج پر ازسرنو سنجیدگی کے ساتھ غور کریں' باہم سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے ساٹھ سالہ سفر کا خود احتسابی اور حتی الوسع غیر جانبداری کے ساتھ جائزہ لیں کہ اس ساری جدوجہد میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے کیا پیش رفت ہوئی اور منزل قریب آئی ہے یا مزید دور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اس بات پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے کہ کیا پاکستان میں غلبہ واقامتِ دین کا یہی ایک راستہ ممکن اور قابلِ عمل (feasible) ہے جس پر ہم گزشتہ ساٹھ' باسٹھ سال سے عمل پیرا ہیں یا کوئی اور راستہ بھی ہے جسے آزمانے کی اب ضرورت ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بلاشبہ ایک آفاقی حقیقت کا غماز ہے کہ ؎

صورتِ شمشیر ہے' دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

امیر تحریک اسلامی کا تہہ دل سے شکریہ میں اس حوالے سے بھی ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس اہم مذاکرے میں شرکت کی پُرخلوص دعوت دی اور میں اپنے محترم بزرگ سید منور حسن صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں کہ انہوں نے مجھے پیغام بھجوایا کہ مجھے اس مذاکرہ میں ضرور آنا چاہیے —— سچی بات یہ ہے کہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار اور ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔ امیر تحریک اسلامی کی طرف سے موصول ہونے والے دعوت نامے کے درج ذیل الفاظ اسی اپنائیت اور دردِ مشترک کا مظہر ہیں:

''جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تحریک اسلامی پاکستان اس ملک میں اور بالآخر اس زمین پر اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور دین کی اقامت کے لیے کام کر رہی ہے۔ ہم تنظیم اسلامی

کے ساتھ مقاصد میں کوئی فرق نہیں پاتے (اور واقعتاً یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے) اور یہی معاملہ جماعت اسلامی کا بھی ہے جو ہم دو کے معاملے میں mother organisation کا درجہ رکھتی ہے۔''

تمہیدی طور پر ایک اہم علمی بحث کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہوں گا —— اگرچہ جو لوگ آج کی اس محفل میں موجود ہیں اُن کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان دینی حقائق سے بخوبی واقف ہیں اور اس کا شعور رکھتے ہیں' لیکن تکمیلِ مضمون کی خاطر مختصراً اعادہ ضروری ہے۔

ہمارے نزدیک غلبہ و اقامتِ دین یعنی کُل نظامِ اجتماعی پر اللہ کے دین کو قائم و غالب کرنا نبی اکرم ﷺ کا خصوصی مشن تھا جو اللہ ربّ العزت کی طرف سے آپؐ کو تفویض کیا گیا تھا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں تین مقامات (التوبة:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹) پر بہت اہتمام سے کیا گیا ہے۔ سورۃ الصف میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹﴾ (الصف)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کاملہ اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے کُل جنسِ دین پر غالب کرے' خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔''

اگلی آیات میں واضح کر دیا گیا کہ اس مشن کی تکمیل کی خاطر جاں گسل محنت صرف اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو بھی بھرپور انداز میں کرنا ہوگی۔ چنانچہ اس آیت کے معاً بعد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱﴾ (الصف)

''اے اہلِ ایمان! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذابِ الیم سے خلاصی دے دے (وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

یہ جدوجہد کوئی اضافی اور نفلی نیکی نہیں ہے بلکہ اس مشن کے لیے جان و مال لگانا اور کھپانا اجتماعی طور پر مسلمانوں کی بنیادی دینی ذمہ داری اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کا لازمی تقاضا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں جہاں سچے اُمتی کے اوصاف بیان ہوئے' وہاں یہ صفت ''نصرتِ رسول'' کے عنوان سے نمایاں کی گئی ہے:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷﴾

یعنی نبی اکرم ﷺ کے سچے پیروکار (followers) وہ ہیں جو: (۱) صدقِ دل سے ان پر ایمان لائیں' (۲) ان کا احترام و تعظیم کریں' (۳) ان کی نصرت کریں' اور (۴) اس نور (قرآن مجید) کا اتباع کریں جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ یہی لوگ پھر کامیاب ہونے والے ہیں۔☆

پھر اسی جدوجہد کو سورۃ الصف کی آخری آیت میں بھی اللہ اور رسول کی نصرت قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۱۴)

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ (بھلا) کون ہے جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں؟''

حاصل کلام یہ ہے کہ غلبہ و اقامتِ دین' احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دل و جان سے محنت کرنا مسلمانوں کے بنیادی دینی فرائض میں سے ہے —— میں یہاں اختصار سے کام لے رہا ہوں' اس لیے کہ یہاں جو معزز سامعین موجود ہیں وہ اس فکر سے بخوبی واقف ہیں اور ان کے لیے اشارہ کافی ہے۔

اس تمہید کے بعد میں اپنے اصل موضوع ''پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ'' کی طرف آتا ہوں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کو احیائے اسلام کی ضرورت و اہمیت اور اقامتِ دین کی ذمہ داری کی طرف واضح اور دوٹوک انداز میں متوجہ کرنے کا شرف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ کو حاصل ہوا جو قیامِ پاکستان سے بھی پہلے مسلمانانِ برصغیر کو ان کی یہ دینی ذمہ داریاں نہ صرف یاد کروا رہے تھے بلکہ ۱۹۴۱ء میں اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک جماعت بھی تشکیل دے دی تھی۔ دوسری طرف علماء کرام

☆ اللہ' رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری کے تقاضوں کے بارے میں تفصیلاً جاننے کے لیے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ''اربعین نووی'' کی ایک حدیث کی تفہیم پر مبنی خطاب ''اخلاص' خیرخواہی اور وفاداری'' کا مطالعہ کیجیے جو ماہنامہ میثاق کے گزشتہ شمارے (ستمبر ۲۰۱۳ء) میں شائع ہوا۔

بھی اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے غافل نہیں تھے۔ قیامِ پاکستان سے قبل انگریز کے دورِ حکومت میں ان کی اولین ترجیحات میں تین بنیادی باتیں شامل تھیں: (۱) لوگوں کے ایمان کو بچانا' (۲) مادہ پرستی کا جو سیلاب مغربی تسلط کے راستے چلا آ رہا تھا' اُس کے آگے بند باندھنے کی کوشش کرنا' اور (۳) مدارسِ دینیہ کے ذریعے علمِ دین کے ورثے کی نہ صرف حفاظت بلکہ اگلی نسل تک اسے دیانتاً منتقل کرنے کی فکر اور اس کی جدوجہد کرنا۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کے تحت یہ ان کا سب سے اول اور مقدم کام تھا جو انہوں نے بخوبی سرانجام دیا۔ تاہم قیامِ نظامِ اسلامی کی ضرورت واہمیت کی طرف واضح انداز میں متوجہ کرنے والی جماعت ''جماعتِ اسلامی'' ہی تھی۔

اس بات میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد کے تکمیلی مراحل میں نمایاں ترین نام قائداعظم کا ہے جو ایک بلند حوصلہ اور مضبوط کردار کے انسان تھے۔ پاکستان کے قیام کے حوالے سے ان کا قائدانہ کردار کسی شک و شائبہ سے بالاتر ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد شدید علالت کے باعث انہیں ملک کو مستحکم کرنے اور صحیح رُخ پر ڈھالنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن ایک گمان کیا جاتا تھا کہ شاید ملک میں نفاذِ اسلام کی طرف ان کی توجہ نہیں تھی اور جس مقصد کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا اس کی طرف انہوں نے اپنی ذاتی حیثیت میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلط تاثر ہے اور خاص طور پر اوریا مقبول جان کی حالیہ تحقیق کے بعد اب اس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وہ پرانے گمشدہ اوراق میں سے یہ حقیقت تلاش کر کے لائے ہیں کہ قائداعظم نے علامہ اسد کو یہ کام تفویض کیا تھا کہ اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے ضمن میں پہلے قدم کے طور پر اسلامی اصولوں پر نظامِ تعلیم کو مرتب کریں۔ علامہ اسد نے اس کام کا آغاز کر دیا تھا اور یہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کے سلسلے کی پہلی کڑی تھی' لیکن قائداعظم کی وفات کے بعد بیوروکریسی نے سازش کر کے انہیں اس کام سے روک دیا۔ اسی طرح قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کے نمائندوں سے بھی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب ہمارے بینک سابقہ انداز سے نہیں' بلکہ اسلامی بنیادوں پر کام کریں گے۔

قائداعظم پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے لیکن ان کی صحت اور عمر نے ساتھ نہ دیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب کی گواہی بڑی غیر معمولی ہے۔ ان کی یہ گواہی جنگ اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ قائداعظم کے ان معالجین میں سے ہیں جو ان

کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کے ساتھ تھے۔ قائداعظم آخری دنوں میں اتنے نحیف' نزار اور کمزور ہو چکے تھے کہ ذرا سی بات کرتے تھے تو سانس پھول جاتی تھی۔ ٹی بی اپنی آخری سٹیج پر پہنچ چکی تھی' چنانچہ ڈاکٹرز نے بات کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ کہتے ہیں کہ ایک بار دوا کے اثرات دیکھنے کے لیے ہم ان کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے بات چیت سے منع کر رکھا تھا' اس لیے الفاظ لبوں پر آ کر رک جاتے تھے۔ اس ذہنی کشمکش سے نجات دلانے کے لیے ہم نے خود انہیں دعوت دی تو وہ بولے:

> ''تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے' تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے **خلافتِ راشدہ** کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔''

یہ تھی قائداعظم کی سوچ' انہوں نے قیامِ پاکستان کو اللہ کی غیبی مدد اور اسلامی نظام کے قیام کو مسلمانانِ پاکستان کی ذمہ داری قرار دیا۔ اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ اب اسلامی نظام کے نفاذ میں نہ ہندو رکاوٹ ہے اور نہ سکھ۔ یہاں ۹۶ فیصد مسلمان ہیں اور یہ اپنی آزاد مرضی سے خلافت راشدہ کے نظام کو قائم کرنے پر قادر ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ قائم نہ کر سکیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ میں چونکہ سیکولر طبقات حاوی تھے' لہٰذا یہ کام آگے نہ بڑھ سکا اور احیائے اسلام کے کام میں حکومتی سطح پر کسی قسم کی کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔

تاہم مولانا مودودیؒ جو پہلے سے اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد کر رہے تھے' پاکستان کے قیام کے بعد واضح انداز میں اسلامی نظام کے قیام کی طرف مسلمانانِ پاکستان کو توجہ دلانے اور عملاً اس کے لیے بھرپور کام کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۹ء میں جماعت اسلامی کا قراردادِ مقاصد کی منظوری اور اس کے لیے زبردست تحریک چلانا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ جبکہ علماء کی جمعیتیں بحیثیت مجموعی اپنے اسی کام میں مشغول ہو گئیں جو قیامِ پاکستان سے قبل حفاظتِ دین کے نقطہ نگاہ سے وہ کر رہی تھیں۔ یعنی دینی مدارس کا قیام جن کا مقصد علمِ دین کی حفاظت اور فروغ تھا۔

میرے محدود مطالعے کی حد تک قیامِ پاکستان کے فوراً بعد یہاں قراردادِ مقاصد کے سوا

اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی جانب پیش رفت کے حوالے سے کوئی نمایاں اور واضح قدم نہیں اٹھایا گیا‘ البتہ تقریباً دو سال بعد قومی سطح پر ایک مثبت کام مزید ہوا اور وہ تھا ۳۱ علماء کے ۲۲ نکات۔ یہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد نفاذِ شریعت کی طرف اگلا قدم تھا جس میں علماء کرام کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔ اس کی بنیاد یہ بنی کہ سیکولر طبقہ کے ایک شخص جسٹس منیر نے یہ طعنہ دیا تھا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کا دستور اسلامی ہونا چاہیے‘ مگر یہاں تو اسلام متنازع ہے۔ اس لیے کہ یہاں تو اسلام ایک نہیں‘ پانچ چھ ہیں۔ سُنّی کا اور ہے شیعہ کا اور‘ دیوبندی کا اور ہے بریلوی کا اور‘ اہلِ حدیث کا اور ہے جماعتِ اسلامی کا اور۔ یہاں ایک اسلام تو ہے نہیں‘ تو آپ کس کا اسلام نافذ کریں گے؟ اس طنزیہ جملے پر سیکولر لوگوں نے بڑی تالیاں پیٹی تھیں اور واقعتاً مذہبی طبقات ایک مرتبہ دیوار کے ساتھ لگ گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس شر سے پھر ایک خیر برآمد ہوا اور تمام دینی طبقات اور تمام مسالک کے چوٹی کے لیڈر اکٹھے ہوئے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ جو بہت بلند پایہ عالمِ دین تھے‘ کے زیر قیادت اور زیر صدارت کراچی میں کئی روز تک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں ان تمام مسالک کے اکابرین نے ایک اسلامی ریاست کا متفقہ دستوری خاکہ ۲۲ نکات کی شکل میں پیش کر دیا کہ ہم سب اس پر متفق ہیں‘ لہٰذا اس کو نافذ کر دو۔

یہ متفقہ دستوری خاکہ ’’۳۱ علماء کے ۲۲ نکات‘‘ کے نام سے مشہور ہوا اور اس میں تمام مسالک اور مکاتبِ فکر کے چوٹی کے علماء کے دستخط موجود ہیں۔ فیصل آباد کے بزرگ دینی رہنما مولانا مجاہد الحسینی صاحب نے حال ہی میں اس کاغذ کی ایک فوٹو کاپی مجھے دی ہے جس پر ان علماء کے دستخط ثبت تھے اور وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ ایک بہت بڑا سنگِ میل تھا جو عبور کیا گیا‘ لیکن واضح رہے کہ یہ نیک کام ایک ’’ردِعمل‘‘ کے طور پر وقوع پذیر ہوا تھا۔ نفاذِ اسلام کے حوالے سے کوئی مثبت احیائی جذبہ اس کی پشت پر کارفرما نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اس کے بعد ملک میں دین کے غلبے اور نفاذِ شریعت کے لیے دینی طبقات کو جو لازمی اقدام اٹھانے چاہئیں تھے‘ کم سے کم میرے محدود مطالعے کی حد تک نظر نہیں آتے۔ یعنی ان ۲۲ نکات کی بنیاد پر نفاذِ اسلام کے لیے کوئی اجتماعی کوشش اور اسے اپنے اہداف میں کوئی نمایاں مقام دینے کا معاملہ دکھائی نہیں دیتا۔

دوسری طرف جماعت اسلامی نے (جس کی اُٹھان انقلابی نہج پر ہوئی تھی) جب احیائے اسلام اور اقامت دین کی خاطر ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا اور اس طرح ملکی سیاست کی وادی میں براہِ راست قدم رکھ دیا تو کچھ عرصے کے بعد پہلے جمعیت علماء پاکستان

اور پھر مزید کچھ عرصے کے بعد جمعیت علماء اسلام بھی اس میدان میں نفاذِ شریعت کے بلند مقصد کے لیے کود پڑیں۔ گویا وہ بھی جماعت اسلامی کے ساتھ پاکستان میں احیائے اسلام اور اقامتِ دین کی جدوجہد کا حصہ بن گئے۔ ان جماعتوں کا واضح موقف یہی تھا کہ ہم نے اس میدان میں نفاذِ شریعت کی خاطر قدم رکھا ہے۔ پھر ان تینوں جماعتوں کے نقشِ قدم پر جمعیت اہل حدیث بھی اسی موقف کے ساتھ انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں داخل ہوگئی۔ الغرض ۱۹۵۱ء سے لے کر آج کی تاریخ تک یہ تمام جماعتیں انتخابی سیاست کی راہ سے نفاذِ شریعت اور اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور ان ۶۲ سالوں میں ہم نے کیا کھویا‘ کیا پایا؟ یہ ایک المناک داستان ہے‘ جس کا حاصل یہ ہے کہ انتخابی سیاست کے ذریعے حصولِ اقتدار کے بعد نفاذِ شریعت کی منزل دُور سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔

آج کی محفل کے شرکاء بنیادی طور پر چونکہ اقامتِ دین کی فکر کے حوالے سے مولانا مودودیؒ کی فکر سے وابستہ ہیں‘ لہٰذا میرے اصل مخاطبین بھی صرف وہی ہیں۔ ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی ایک راستہ ہے جو اس منزل کے حصول کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے! جبکہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے فکر کو انقلابی بنیادوں پر اٹھایا اور تشکیل دیا تھا۔ یعنی قرآن کے انقلابی پیغام کے ذریعے سمجھدار لوگوں کے قلوب واذہان میں انقلاب برپا کرنا اور اس عمل کے ذریعے بالآخر اپنی آخری منزل تک پہنچنا۔ ان کا ایک مختصر مگر جامع کتابچہ ’’اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے؟‘‘ اسی موضوع پر ہے۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد حالات کی تبدیلی کے پیشِ نظر انہوں نے ایک دوسرے طریقہ کار کو **’’بطورِ آزمائش‘‘** اختیار کیا۔ اس کا قطعی ثبوت مولانا مرحوم کی اپنی کئی تحریرات میں موجود ہے جن میں سے ایک تحریر پیش خدمت ہے۔ یہ ترجمان القرآن‘ ستمبر ۱۹۴۸ء کی تحریر ہے‘ جس میں پاکستان بننے سے پہلے کیا کام تھا اور اس کے بعد کیا ہوا‘ اس حوالے سے مولانا مرحوم کا موقف سامنے آیا۔ وہ فرماتے ہیں:

> ’’واضح طور پر یہ سمجھ لیجیے کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام صرف دو طریقوں سے ممکن ہے:
> ایک یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت زمام کار ہے وہ اسلام کے معاملہ میں اتنے مخلص اور اپنے ان وعدوں کے بارے میں جو انہوں نے اپنی قوم سے کیے تھے اتنے صادق ہوں کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی جو اہلیت ان کے اندر مفقود ہے اسے خود محسوس کر لیں اور ایمانداری کے ساتھ یہ مان لیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ اب یہاں اسلامی نظام تعمیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اس

کے اہل ہوں۔ اس صورت میں معقول طریق کار یہ ہے کہ پہلے ہماری دستور ساز اسمبلی ان بنیادی امور کا اعلان کرے جو ایک غیر اسلامی نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل کرنے کے لیے اصولاً ضروری ہیں (جنہیں ہم نے اپنے ''مطالبہ'' میں بیان کر دیا ہے) پھر وہ اسلام کا علم رکھنے والے لوگوں کو دستور سازی کے کام میں شریک کرے اور ان کی مدد سے ایک مناسب ترین دستور بنائے‘ پھر نئے انتخابات ہوں اور قوم کو موقع دیا جائے کہ وہ زمامِ کار سنبھالنے کے لیے ایسے لوگوں کو منتخب کرے جو اس کی نگاہ میں اسلامی نظام کی تعمیر کے لیے اہل ترین ہوں۔ اس طرح صحیح جمہوری طریق پر اختیارات اہل ہاتھوں میں بسہولت منتقل ہو جائیں گے اور وہ حکومت کی طاقت اور ذرائع سے کام لے کر پورے نظام زندگی کی تعمیر جدید اسلامی طرز پر کر سکیں گے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معاشرے کو جڑ سے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جائے اور ایک عمومی تحریک اصلاح کے ذریعے سے اس میں خالص اسلامی شعور و ارادہ کو بتدریج اس حد تک نشوونما دیا جائے کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے تو خود بخود اس سے ایک مکمل اسلامی نظام وجود میں آ جائے۔

ہم اس وقت پہلے طریقہ کو آزما رہے ہیں۔ اگر اس میں ہم کامیاب ہو گئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان کے قیام کے لیے ہماری قوم نے جو جدوجہد کی تھی وہ لاحاصل نہ تھی بلکہ اسی کی بدولت اسلامی نظام کے نصب العین تک پہنچنے کے لیے ایک سہل ترین اور قریب ترین راستہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ لیکن اگر خدانخواستہ ہمیں اس میں ناکامی ہوئی اور اس ملک میں ایک غیر اسلامی ریاست قائم کر دی گئی تو یہ مسلمانوں کی ان تمام محنتوں اور قربانیوں کا صریح ضیاع ہو گا جو قیامِ پاکستان کی راہ میں انہوں نے کیں‘ اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم پاکستان بننے کے بعد بھی اسلامی نقطہ نظر سے اسی مقام پر ہیں جہاں پہلے تھے۔ اس صورت میں ہم پھر دوسرے طریقہ پر کام شروع کر دیں گے‘ جس طرح پاکستان بننے سے پہلے کر رہے تھے۔

اُمید ہے کہ اس توضیح سے لوگ ہماری پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔ ہم کوئی کام وقت سے پہلے نہیں کرنا چاہتے۔ سردست ہم نے اسلامی نظام کے بنیادی امور کو ایک مطالبہ کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ اگر اسے قبول کر لیا جائے تو دستور سازی کے کام میں جس حد تک ممکن ہو گا ہم پوری مدد کریں گے۔ لیکن اگر سرے سے یہ بنیادی امور ہی برسراقتدار لوگوں کو منظور نہ ہوں تو پھر دستور کا خاکہ پیش کرنے سے آخر کیا فائدہ متصور ہے؟'' (ترجمان القرآن‘ ستمبر ۱۹۴۸ء)

اس اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بہرحال یہ دو طریقے ہیں اور قیامِ پاکستان کے بعد جس طریقہ کار (یعنی انتخابات کے ذریعے نفاذِ شریعت) کو اختیار کیا گیا وہ وقتی طور پر تھا‘ بایں طور کہ اگر کامیابی نہیں ملتی تو ہم پھر واپس پہلے طریقے (یعنی انقلابی تحریک کے ذریعے نفاذِ شریعت) کی طرف جائیں گے۔ اب یہ سوچ بالکل واضح ہے۔ چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد حالات کی تبدیلی کے پیش نظر انہوں نے ایک راستہ کو اختیار کر لیا جو اس وقت بھی چل رہا ہے۔ میں یہ اعتراف کروں گا کہ نئے حالات میں کسی نئے طریقہ کار کو آزمانا بالکل قابلِ فہم ہے اور عقل و دانش اسے تسلیم کرتی ہے‘ لیکن ہمیں یہ تو ماننا چاہیے کہ پہلے طریقہ کار کچھ اور تھا اور بعد میں کچھ اور ہے‘ اور یہ دوسرا طریقہ بطور آزمائش تھا‘ پہلے طریقہ کار کا حتمی متبادل نہیں تھا۔ اس اقتباس سے میں یہ نتیجہ اخذ کر رہا ہوں۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے جو انقلابی راستہ تجویز کیا —— اپنے خطاب ''اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے'' میں بھی اور قیامِ پاکستان سے قبل عملی نہج کے ذریعے بھی —— اس جدوجہد کے آخری مراحل کے خدوخال زیادہ واضح نہیں کیے تھے۔ انقلابی نہج کے ابتدائی مراحل وضاحت سے بیان فرمائے‘ یعنی قرآن کے انقلابی پیغام کے ذریعے افراد کے قلوب میں حقیقی ایمان کی ترویج و آبیاری کرنا‘ افراد کے ذہن و قلب میں انقلاب برپا کرنا اور ایک مضبوط ڈسپلن والی جماعت تیار کرنا‘ لوگوں کے اندر دین کا جذبہ اور نفاذِ شریعت کی شدید پیاس اور تڑپ دل میں پیدا کرنا وغیرہ۔ ابتدائی طریقہ کار کو تو انہوں نے عمدگی سے بیان کیا لیکن آخری مراحل کو پورے طور پر واضح نہ کیا۔ اب یہ مصلحتاً بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ان کا ذہن پوری طرح واضح نہ ہوا ہو۔ تاہم اس خلا کو پُر کرنے کی سعادت اللہ کے فضل و کرم سے والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو ملی ہے۔ ''منہجِ انقلابِ نبویﷺ'' کے نام سے انہوں نے پورے شرح و بسط کے ساتھ اس انقلابی طریقے کو واضح کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان میں اس حوالے سے انقلابی جدوجہد کے آخری مراحل کیا ہوں گے‘ ان کو بھی محکم اساسات کی بنیاد پر ٹھوس تجاویز کی صورت میں مرتب کر دیا ہے۔

دیکھیے نبی اکرمﷺ کا مقابلہ براہِ راست کفار اور مشرکین کے ساتھ تھا جبکہ یہاں پاکستان میں اسلامی نظام کے راستے کی رکاوٹ خود کلمہ گو مسلمان ہیں۔ اس فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے اس منہج میں کچھ تبدیلی کرنا پڑے گی —— ''منہجِ انقلابِ نبویﷺ'' تقریباً چار سو صفحات

کی مبسوط کتاب ہے جس میں والد محترم نے انقلابی جدوجہد کے تمام مراحل کو مفصل انداز میں دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے اور عہد نبوی اور آج کے دور کے مندرجہ بالا فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستان میں اس انقلاب کے آخری مراحل کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اور پھر انہوں نے اس کا خلاصہ ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب'' کے عنوان سے پچاس ساٹھ صفحات میں بیان کر کے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا—— بہرحال یہ ان کا ایک خاص موضوع تھا اور انہوں نے اسی کام کو آگے بڑھایا جس کا آغاز مولانا مودودیؒ فرما چکے تھے۔

اس حوالے سے میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ کے عنوان سے پاکستان میں نفاذِ اسلام کا طریقہ جو بانی محترم نے بیان فرمایا تھا' اسے بحمد اللہ اس ملک کے ایک بڑے اور مؤثر دینی طبقہ کی تائید بھی حاصل ہو گئی ہے اور وہ مکتبہ فکر ''دیوبند'' ہے۔ قیامِ پاکستان اور اس کے بعد بھی ان کی خدمات کا یوں کہیے کہ ایک تسلسل ہے۔ وہ بھی اپنے حالیہ غور وفکر کے نتائج میں یہیں تک پہنچے ہیں کہ اس ملک میں نفاذِ اسلام کا راستہ یہی ہے' جس کی کچھ تفصیلات میں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کر دی ہیں اور کچھ آگے بیان کروں گا۔

انتخابی سیاست کے راستے سے اب تک جو کوششیں ہوئیں اور دینی جماعتوں کو اپنے اصل ہدف کے حصول یعنی نفاذِ شریعت کے حوالے سے جو ناکامیاں ہوئیں' اس پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ حالیہ ترجمان القرآن (جون ۲۰۱۳ء) میں سید منور حسن صاحب نے بہت ہی عمدہ' جامع اور فکر انگیز مضمون لکھا ہے جس پر میں ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ایک چیز کی وضاحت کرتا چلوں کہ موجودہ ناکامی کا سبب اکثر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دینی جماعتیں اکٹھی نہیں ہوئیں۔ اگر یہ اکٹھی ہو کر ایک پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لیتیں تو پھر کامیابی ہوتی اور ہم اپنی منزل تک پہنچتے۔ میں نے بتکرار یہ بات مختلف محفلوں کے اندر انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی سنی ہے' لیکن میرے لیے یہ بات ناقابل فہم ہے۔ کیا اُس ضمن میں متحدہ مجلس عمل (ایم ایم اے) کا تجربہ ہمارے لیے کافی نہیں ہے؟ کیا اس وقت تمام سیاسی دینی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی نہیں تھیں؟ اور کیا اس کے نتیجے میں انہیں واقعتاً پاکستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ سیٹیں حاصل نہیں ہوئیں؟—— اس میں کچھ اور عوامل (factors) بھی تھے اور اس وقت حالات بھی بہت سازگار تھے۔ نائن الیون کی وجہ سے امریکہ مخالف رجحان (Anti America Sentiment) بہت شدید تھا اور طالبان موافق رجحان (Pro Taliban Sentiment) بھی ایم ایم اے

کی پشت پر تھا' جس کے اثرات صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ظاہر ہوئے۔

یہاں پر ایک بات ریکارڈ کے طور پر میں آپ کے سامنے لا رہا ہوں کہ والد محترمؒ کی سوچ اگرچہ ۱۹۵۷ء سے یہی تھی کہ انتخابی سیاست کا راستہ پاکستان میں اسلام کے غلبہ اور قیام کے لیے مفید راستہ نہیں ہے' اس راستے سے اسلامی انقلاب یا غلبہ اسلام کی منزل سر نہیں کی جاسکتی۔ واضح رہے کہ انہیں اُس جامع تصورِ دین سے ہرگز اختلاف نہیں تھا جو جماعت اسلامی کی دعوت کی بنیاد تھا' اُن کا اختلاف طریق کار کے حوالے سے تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس جامع تصورِ دین کو مولانا مودودیؒ کے بعد والد محترمؒ نے دمِ آخر جس قوت کے ساتھ آگے بڑھایا اور عام کیا شاید اس کی کوئی اور مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اصولی اختلاف کے باوصف جب دینی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوئیں اور ایم ایم اے وجود میں آئی تو انہوں نے اخبار میں اشتہار دیا اور پاکستانی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ بہت اچھی بات اور نیک شگون ہے کہ دینی جماعتیں اس بار الیکشن میں متحد ہو کر آئی ہیں۔ ان کا ہدف چونکہ پاکستان میں نفاذِ شریعت ہے لہٰذا ہر مخلص مسلمان کو چاہیے کہ نفاذِ شریعت کی خاطر ان کو ووٹ دے کر کامیاب کرائے۔ پھر وہ خود بھی بڑے اہتمام سے ووٹ ڈالنے گئے اور ہمارے ساتھیوں نے بھی بھرپور سرگرمی کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ میں صرف ریکارڈ کی درستی کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اختلاف اپنی جگہ' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا طرزِ عمل انتہائی متوازن اور معتدل تھا۔

بہرحال ایم ایم اے کے ان پانچ سال میں نفاذِ شریعت اور غلبہ دین اسلام کے حوالے سے کم از کم مجھے تو کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ قومی اسمبلی کے اندر تحفظِ حقوقِ نسواں بل بھی ایم ایم اے کی موجودگی میں پاس ہوا اور وہ اس کو بھی نہیں روک سکے' جس کے بارے میں ملک کے تمام مکاتب فکر کے سو فیصد علماء نے کہا تھا کہ یہ قرآن وسنت سے بغاوت کا بل ہے اور یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر اس کو منظور کرانے کی کوشش کی گئی تو ہم تحریک چلائیں گے' لیکن نہ تو اس بل کو روکا جاسکا اور نہ ہی کوئی تحریک چلائی جاسکی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ تمام دینی جماعتیں دوبارہ جمع ہو جائیں تو الیکشن کے راستے سے پاکستان میں اسلام آ سکتا ہے' میرے لیے انتہائی ناقابلِ فہم اور قطعی طور پر بے بنیاد ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی بہت سننے میں آ رہی ہے کہ اگر ماضی کی طرح بعض بڑی سیکولر سیاسی جماعتوں کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کا معاملہ کر لیا جاتا تو اس کے بہت اچھے نتائج نکلتے۔ میں آپ

سے پوچھتا ہوں کہ سیکولر جماعتوں کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کر کے کیا ہم اپنے اصولی موقف کو بے اصولی کی بھینٹ نہیں چڑھا دیتے؟ اس حوالے سے محترم منور حسن صاحب نے اپنے حالیہ مضمون میں بالکل صحیح فکر پر مبنی بہت عمدہ تجزیہ اور جائزہ پیش کیا ہے جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔

اس ساری گفتگو کے بعد اب میں اس قرآنی آیت کا سہارا لے کر آپ سب سے ایک اپیل کر رہا ہوں کہ:

﴿اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ......﴾ (الحدید:۱۲)

''کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ڈر جاتے اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے جو نازل ہوا ہے......''

یعنی کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے طریق کار پر نظر ثانی کریں؟ یا ہم اس ایک راستے کے سوا کسی دوسرے راستے کے امکان کو نظر انداز ہی کرتے رہیں گے؟ حکمت، دانش، فہم و فراست، عدل و انصاف سب کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے اور وہ دوسرا راستہ وہ ہے جس کے ابتدائی خدوخال مولانا مودودیؒ نے اور تکمیلی خدوخال ان کے علمی و فکری جانشین بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے واضح کیے ہیں اور اسی کی تصویب ہمارے روایتی علماء کا ایک بہت اہم اور مضبوط حلقہ دیوبند بھی کر چکا ہے (جس کا تفصیلی ذکر مضمون کے آخر میں آئے گا)۔ وہ راستہ نہ آپ کے لیے اجنبی ہے اور نہ دیگر دینی جماعتوں اور سیاسی جماعتوں کے لیے غیر معروف ہے، اس لیے کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری اور دوسرے بہت سے مواقع پر اُسی راستے کو اختیار کیا گیا تھا۔ وہ راستہ پُرامن احتجاجی تحریک کا راستہ ہے جس کا آخری تکمیلی مرحلہ ہوگا ایک ایسی بھرپور عوامی تحریک جو پورے باطل نظام کو بہا کر لے جائے۔

واضح رہے کہ اس انقلابی راستے کے ابتدائی مراحل میں ہمیں سُنّتِ رسول ﷺ سے رہنمائی لینی ہے، اس لیے کہ یہ نبویؐ مشن اور دین کا کام ہے اور اس کے لیے راہنما ایک ہی ہیں اور وہ ہیں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ۔ چنانچہ ابتدائی مراحل میں رہنمائی مکی دور سے لینی ہے۔ ایمان کی پختگی کی خاطر قرآن حکیم کے ساتھ ایک مضبوط تعلق، اللہ کی رضا کی خاطر منکرات اور حرام امور اور حرام کمائی سے اجتناب، خدمت خلق اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ لوگوں میں بھرپور طور پر دعوتِ دین کا کام، ہر نوع کی مخالفت اور مشکلات پر صبر و استقامت کا مظاہرہ۔

گویا نفاذِ اسلام کی خاطر جدوجہد کا پہلا قدم اپنی ذات اور اپنے گھر میں شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ جماعتی ڈسپلن کی پابندی کا خوگر بننا اور اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے آمادۂ عمل رہنا، بلکہ شہادت کی موت کی شدید آرزو کو پروان چڑھانا، یہ سب اس انقلابی تحریکی جدوجہد کے اولین ناگزیر تقاضے ہیں۔

باقی رہا آخری مرحلہ، تو عہد نبوی اور عہدِ حاضر میں ایک فرق ہے کہ عہدِ نبوی میں مقابلہ غیر مسلموں اور کافروں سے تھا، جبکہ یہاں مقابلہ غیر مسلموں سے نہیں، بلکہ کلمہ گو مسلمانوں سے ہے اور مسلمان بھی وہ جو اگرچہ امریکہ کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں لیکن آپ کے سامنے اپنی مسلمانی کا اظہار بڑے فخر سے کرتے ہیں، جبکہ باطنی طور پر وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا پرویز مشرف نے بھی کہا تھا کہ میں بھی مسلمان ہوں، میں بھی صاحب ایمان ہوں، میں نے بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تھا۔ جب صورتحال ایسی ہے تو تصادم کے مرحلے میں طریق کار کی تبدیلی ضروری ہے اور طریق کار وہی ہے جس کی طرف بانی تنظیم اسلامی گزشتہ تیس سال سے قوم کو متوجہ کرتے رہے ہیں اور جس کی توثیق بھی اب الحمدللہ مکتبہ دیوبند کی طرف سے ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر آپ سب غور فرمائیں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ تحریک کا راستہ خصوصی طور پر دینی سیاسی جماعتوں کے لیے کوئی نیا راستہ نہیں ہے، اس لیے کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے لیے تحریک چلائی گئی۔ پھر یہ کہ ہماری دینی سیاسی جماعتیں مل جل کر مارشل لاء کے خاتمے اور بحالیٔ جمہوریت کے لیے بھی تحریکیں چلاتی رہی ہیں یا ایسی تحریکوں کا حصہ بنتی رہی ہیں۔ پھر اس میں جیلیں کاٹی ہیں، سختیاں بھی جھیلی ہیں اور کوڑے بھی کھائے ہیں، لیکن مقصد مارشل لاء کا خاتمہ اور جمہوریت کی بحالی تھی۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ دین کی اقامت اور شریعت کے کامل نفاذ کے لیے کبھی اجتماعی تحریک نہیں چلائی۔ جبکہ یہ امر واقعہ ہے کہ دینی جماعتوں نے جب بھی کسی اہم دینی مسئلہ پر مل کر تحریک چلائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کامیابی دی ہے۔ قراردادِ مقاصد کی تحریک میں کامیابی ملی، قادیانیوں کے خلاف تحریک کو کامیابی ملی۔ یہ کام اللہ نے بھٹو کے ذریعے کروایا، لیکن اس سے پہلے جو تحریک سب دینی جماعتوں نے مل کر چلائی تھی اصل زور تو اُس کا تھا۔ اسی طرح ابھی زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ ڈھائی تین سال پہلے تحفظِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے ایک بار پھر دینی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئیں۔ اس موقع پر ہماری حکومت کا حال یہ تھا کہ وہ

امریکہ کے آگے بالکل سرنگوں تھی‘ یورپی یونین اور امریکہ کا شدید دباؤ تھا‘ پوپ کے بیانات آ رہے تھے کہ آسیہ بی بی کو رہا کرو اور 295-C کو ختم کرو! اور اس دباؤ پر ہمارے حکمران تہیہ کیے بیٹھے تھے‘ لیکن تمام دینی جماعتوں نے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک بھرپور تحریک چلائی تو حکومت کو مجبوراً گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ تو یہ وہ راستہ جس میں آپ نے دیکھا کہ کامیابی ملتی ہے۔

دیکھئے‘ آج اس موقع پر ہم اکٹھے بیٹھے ہیں اور میرا احساس یہ ہے کہ دشمن تو ہمیں لڑانے کے چکر میں رہتے ہیں‘ لیکن اللہ تعالیٰ کوئی سبب پیدا کر دیتا ہے کہ دینی جماعتیں پھر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور ایک خوبصورت منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ بڑے طویل عرصے بعد تحفظِ ناموسِ رسالت کے موقع پر یہ منظر دیکھنے میں آیا تھا کہ ہم اکٹھے ہوئے تھے‘ ورنہ دیوبندی بریلوی محاذ آرائی اور اسی طرح شیعہ سُنی اختلاف اپنی آخری حدود کو چھو رہا تھا۔ محترم منور حسن صاحب کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہم ایک ایک دینی مسئلہ پر الگ الگ تحریک چلاتے ہیں تو ایک ہی مرتبہ نفاذِ شریعت کے لیے اکٹھے ہو کر تحریک کیوں نہیں چلاتے؟ ہمارے تمام مسائل کا حل یہی ہے۔ ع ’’تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم!‘‘ ہم کب تک ایک ایک مسئلے کو لے کر چلیں گے‘ جبکہ اندر جو فسادِ خون ہے اس کا علاج کرنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا!

بہرکیف یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو ہمارے عمل میں ہیں‘ جس کا ہمیں بارہا مشاہدہ اور تجربہ ہوا ہے اور جس کے فوائد ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ دینی جماعتیں اکٹھی نہیں ہوتیں‘ بلکہ اللہ کے فضل سے دینی مسائل پر اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ الحمدللہ وہ ۲۲ نکات پر اکٹھی تھیں اور اُس وقت کی چوٹی کی قیادت نے ان پر دستخط کیے تھے۔ پھر ۱۹۹۵ء میں جب ملی یکجہتی کونسل پہلی بار بنی تھی تو اس وقت تمام مسالک کے اُس وقت کے سرکردہ راہنماؤں نے دوبارہ ان ۲۲ نکات پر دستخط کیے تھے‘ یعنی یہ صرف قصہ ماضی نہیں ہے بلکہ اس کو دہرایا جاتا رہا ہے کہ ہم اس پر اکٹھے ہیں۔ ہاں تحریک کے کچھ تقاضے ہیں کہ نفاذِ شریعت کے لیے جو بھی چلیں وہ پہلے اپنے وجود پر اور اپنے گھر میں شریعت کو نافذ کریں اور پھر وہ مل کر حزب اللہ کی شکل میں ایک مضبوط جماعت بنیں‘ صرف ہجوم (mob) نہ ہو۔ پھر وہ جماعت انہیں تربیت اور تزکیہ کے مراحل سے گزارے اور وہ سمع و طاعت کے پابند بھی ہوں۔ یہ ساری چیزیں الحمدللہ جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے لٹریچر کا حصہ ہیں۔ پھر اس جماعت میں اتنی صلاحیت اور قوت ہو کہ وہ اس سارے معاملے کو سنبھال سکے۔ جب تحریک چلے گی تو عوام کا ریلا بھی ان شاء اللہ ساتھ ہوگا‘ لیکن اسے کنٹرول کرنے کی طاقت اور سوجھ بوجھ بھی ہو۔ یہ نہ

ہو کہ ہماری اس تحریک کے نتیجے میں تخت تو الٹ جائیں —— جیسا کہ شہنشاہ ایران ایک بھرپور عوامی تحریک کے نتیجے میں ملک چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا‘ حالانکہ اس کے قدم بڑے مضبوط تھے اور وہ اس خطہ میں امریکی پولیس مین مانا جاتا تھا —— لیکن اگر انقلابی جماعت مضبوط نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ انقلاب کے بعد کی صورتِ حال کو وہ کنٹرول نہ کر سکے اور پکی پکائی کھیر کوئی اور کھا لے۔ نہیں! اس جماعت کا دورانِ تحریک بھی اور تحریک کے بعد کے حالات پر بھی مکمل کنٹرول ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے ایک جماعت کو مضبوط ہونا پڑے گا اور دینی جماعتیں اگر مل کر یہ کام کریں تو یہ منزل بہت جلد سر ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ اس کے آخری مرحلے میں ایک امیر کا تقرر بھی لازم ہے۔

میں یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ نفاذِ شریعت کے لیے پاکستان میں جب بھی آواز اٹھی تو والد محترم نے اس پر بلا جھجک لبیک کہا —— مولانا سمیع الحق صاحب ہمارے بزرگ ہیں‘ اُن سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے وہ بہت احترام کے ساتھ ڈاکٹر صاحبؒ کا ذکر کرتے ہیں کہ اس معاملے میں ہر موقع پر انہوں نے تعاون کیا —— بلکہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جونیجو دور میں متحدہ شریعت محاذ کے نام سے جو تحریک چلی تھی اس وقت والد محترم نے تجویز کیا تھا کہ آگے بڑھنے کے لیے اس تحریک کو منظم کریں اور اگلے مراحل میں ایک امیر کا تعین کریں۔ والد محترم نے امیر کے طور پر مولانا سمیع الحق صاحب کے والد مولانا عبدالحقؒ‘ بانی جامعہ حقانیہ کا نام تجویز کیا کہ آئیے ہم سب ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور ایک امیر کی قیادت میں یہ کام کریں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ والد محترم کی یہ تحریک چلانے والی سوچ بہت پرانی ہے اور وہ اس پر مسلسل عمل پیرا رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ دینی جماعتوں کو اس راستے کی طرف بلاتے رہے۔ اس لیے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی جماعتیں اگر متحد ہو جائیں تو یہ بہت بڑی قوت ہیں۔ تحفظِ ناموسِ رسالت کے موقع پر آپ نے دیکھا کہ حکومت نے ابتدائی مراحل ہی میں دینی جماعتوں کی تحریک کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ آج کے دور میں ایک بھرپور عوامی تحریک بہت مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ انقلابِ ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح گزشتہ چند سالوں میں ہمارے سامنے عوامی سیلابی ریلوں کے آگے بڑے بڑے مضبوط تخت اکھڑ گئے۔ کرغیزستان‘ وینزویلا وغیرہ میں یہ معاملات ہو چکے ہیں۔ ہمارے لیے ایک بہت اہم مثال بھارتی مسلمانوں کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بھارت کے اندر مسلمان صرف ۱۲‘ ۱۳ فیصد ہیں‘ لیکن تحریک کے

ذریعے انہوں نے اپنے عائلی قوانین محفوظ کروا لیے۔ ۱۹۸۵ء میں کلکتہ ہائی کورٹ نے شاہ بانو کیس میں فیصلہ دے کر مسلمانوں کے عائلی قوانین میں کچھ مداخلت کی تو تمام مسلم مسالک سُنی‘ شیعہ‘ دیوبندی‘ بریلوی‘ جماعت اسلامی‘ اہل حدیث علماء‘ الغرض سب نے متحد ہو کر بڑی بھرپور تحریک چلائی‘ دھرنے دیے‘ قربانیاں دیں‘ پُرامن مظاہرے کیے‘ یہاں تک کہ راجیو گاندھی کی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس تحریک کے قائد تھے۔ ان کی زیر سرکردگی یہ ساری تحریک چلی تھی۔ وہ اس وقت فرما رہے تھے: ”اے ہند کے مسلمانو! اگر تم سے تمہارے عائلی قوانین چھین لیے گئے تو تم مسجد میں مسلمان شمار ہو گے اور اپنے گھروں میں کافر ہو گے“۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ قطعی طور پر ایک غیر سیاسی آدمی تھے‘ لیکن عالم اسلام کی ایک نامور علمی شخصیت تھے۔ چنانچہ ان کی یہ بات کتنی اہمیت کی حامل ہے۔ ذرا غور فرمایئے‘ ہمارا حال یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے اس قول کے مطابق ۱۹۶۲ء سے ہم اپنے گھروں میں کافر ہیں‘ اس لیے کہ ہمارے عائلی قوانین اسلامی نہیں ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں غلام احمد پرویز‘ جو اس دور میں منکرینِ حدیث اور منکرینِ سنّت کا سرخیل ہے‘ اُس نے جو عائلی قوانین ایوب خان کے ایماء پر مرتب کیے‘ وہ اس اسلامی ملک میں ڈنڈے کے زور پر نافذ کر دیے گئے۔ حالانکہ اُس وقت سارے علماء نے کہا تھا کہ یہ عائلی قوانین جو نافذ کیے جا رہے ہیں قرآن وسنت کے خلاف ہیں‘ لیکن انہوں نے اس کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلائی۔ نتیجتاً وہی عائلی قوانین آج بھی نافذ ہیں۔

یہ ہے تحریک کا معاملہ‘ اور آج اگر تمام دینی جماعتیں نفاذِ شریعت کے لیے اکٹھی ہو جائیں —— اس میں ہمیں کوئی شک نہیں کہ تمام دینی سیاسی جماعتیں چاہے جے یو آئی ہو‘ جے یو پی ہو‘ جماعت اہل حدیث ہو‘ جماعت اسلامی ہو‘ یہی دعویٰ کرتی ہیں کہ ہمارا اصل مقصد پاکستان میں نفاذِ شریعت اور اسلامی نظام کا قیام ہے —— اس کے لیے راستہ اگر تحریک کا اختیار کریں تو ان شاء اللہ کوئی شے ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔ پھر سب سے بڑھ کر اللہ کی مدد آئے گی‘ بفحوائے قرآنی: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ (الحج: ۴۰) ”اور اللہ لازماً اس کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کرے گا!“ گویا اللہ کے دین کے غلبے اور نفاذِ شریعت کے لیے اگر آپ نکلیں گے تو اللہ کی مدد ان شاء اللہ لازماً شامل حال ہو گی۔

قبل ازیں میں نے یہ بات عرض کی تھی کہ ہمارے ملک کا ایک بہت بڑا اور معتبر و مؤثر دینی طبقہ دیوبند مکتب فکر ہے جس کی نمائندگی سیاسی میدان میں ”جے یو آئی“ (جمعیت علمائے

اسلام) کرتی ہے۔ ان کے اکابرین نے تین سال پہلے ۱۵/اپریل کو ایک اعلامیہ مرتب کیا تھا۔ کئی دن جامعہ اشرفیہ میں اجلاس ہوتے رہے اور پورے پاکستان سے اکابر دیوبند اس میں شریک ہوتے رہے —— یہ دن ہمیں اس لیے نہیں بھول سکتے کہ والد محترم کا انتقال انہی دنوں ۱۴/اپریل کو ہوا تھا اور اس دن بھی اجلاس ہو رہا تھا۔ تبھی بہت سارے جید علماء ان کے جنازے میں بھی شریک ہو سکے تھے۔ میں نے وہاں بھی اُن تمام علماء کا شکریہ ادا کیا تھا اور آج بھی اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں —— دیوبند کے اکابر علماء اور جے یو آئی کی اعلیٰ قیادت نے ساری صورتحال پر غور کرنے کے بعد جو متفقہ اعلامیہ مرتب کیا اس کی کاپی میرے پاس موجود ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور تنظیم اسلامی کی جو فکر میں نے آج آپ کے سامنے مختصراً پیش کی‘ اس اعلامیہ سے اُس کی سو فیصد تائید ہوتی ہے۔ اس میں دو باتیں بہت ہی مرکزی نوعیت کی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے:

”ملک بھر کے علماء کا یہ اجتماع عام مسلمانوں کے اس احساس میں برابر کا شریک ہے کہ ہمارا ملک جن گوناگوں مسائل سے دوچار ہے اور اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے‘ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کے جس عظیم مقصد کے لیے یہ مملکتِ خداداد پاکستان حاصل کی گئی تھی اس کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے۔ اور عملاً اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کرنے کے بجائے ہم اس منزل سے دور ہوتے چلے گئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک بھر میں عوام ہمہ جہتی مسائل کی چکی میں پس رہے ہیں۔“

یعنی ہمارے ملک میں جو انحطاط اور زوال ہے کہ ہمیں جو آزادی ملی تھی وہ آج غلامی میں بدل گئی ہے اور ہم معاشی اور سیاسی طور پر امریکہ کے غلام ہیں۔ پھر کون سا ایسا عذاب ہے جو اس قوم پر نہیں ہے۔ اس سب کا اصل سبب ہمارا یہ جرم ہے کہ ہم نے ۶۵ سال میں بھی یہاں اللہ کے دین کو قائم نہیں کیا‘ شریعت کو نافذ نہیں کیا۔ یہی ہمارے زوال کا اصل سبب ہے۔ والد محترم شروع سے کہتے آئے ہیں کہ اس سبب کو جب تک دور نہیں کرو گے‘ حالات حقیقی معنوں میں نہیں بدل سکتے۔ خرآمد یا گاؤ رفت اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ خدا خدا کر کے پرویز مشرف رخصت ہوا تو اُس کے بعد زرداری آ گیا‘ جس کو ہم نے بڑے اہتمام سے ووٹ کے ذریعے سے اپنے سر پر بٹھایا۔ معاملہ بد سے بدتر کی طرف بڑھتا رہے گا۔

آگے اس اعلامیہ میں سارے بحرانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد دو نکات میں اس حوالے سے وہ اپنا حل بتا رہے ہیں: (باقی صفحہ 98 پر)

پاکستان میں احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ

حافظ زاہد حسین‘ امیر تحریکِ اسلامی پاکستان

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ...... بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ
وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

(الانفال)

’’یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے‘ تمہیں زمین میں بے زور سمجھا جاتا تھا‘ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں‘ پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ مہیا کردی اور اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کر دیے اور تمہیں اچھا رزق عطا کیا شاید کہ تم شکر گزار بنو۔‘‘

’’پاکستان میں اِس کے قیام سے لے کر اب تک احیائے اسلام کے لیے کی جانے والی کوششوں کا جائزہ‘‘ یہ آج کے مذاکرہ کا عنوان ہے۔ بلاشبہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔ اِس کے بنانے کی تحریک میں سارا زور اثر بھی اِسی بنیاد پر پیدا ہوا تھا کہ مسلم لیگ کی قیادت اور اُن علماء نے جو قیامِ پاکستان کی تحریک کی جدّوجہد میں شریک تھے‘ یقین دلایا تھا کہ پاکستان میں اسلام کا نظام نافذ ہوگا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مسلم لیگ کا قیام ابتدا میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے وجود میں آیا تھا‘ البتہ آگے چل کر جب مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا تو اِس کے مطالبے میں جس چیز کو بنیاد بنایا گیا وہ دوقومی نظریہ تھا۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد ہی اسلام تھی۔ لہٰذا پاکستان کے قیام کے لیے جو جدوجہد کی گئی اُس میں اسلام کو بنیاد بنایا گیا۔ اِسی پاکستان میں چھیاسٹھ برس گزر جانے کے بعد آج ہم اِس بات کا جائزہ لینے کے لیے کھڑے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک نفاذِ اسلام کے لیے کی جانے والی کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا؟

پاکستان کے قیام سے پہلے ہی یہ اندیشے بعض لوگوں کے سامنے موجود تھے کہ جس طرح پاکستان کو حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے‘ اُس میں اسلامی نظام کا بوجھ اٹھانے کے حوالے سے تیاری کا عنصر مفقود ہے۔ نہ قیادت کا طرزِ عمل اِس حوالے سے مفید محسوس ہو رہا ہے اور نہ ہی عوام کی رہنمائی اِس حوالے سے کی جا رہی ہے۔ ایسی رہنمائی نہیں کی جا رہی کہ لوگوں میں اسلامی نظام کے ساتھ محبت کے ساتھ ساتھ اُس پر عمل کرنے کا جذبہ اور شعور اِس درجہ میں بیدار ہو جائے کہ وہ لوگ سامنے آئیں جو اسلامی نظام کی پابندیوں کا بوجھ برضا و رغبت اٹھا سکیں۔ اِسی وجہ سے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مسلم لیگ کی قیادت کے حوالے سے اِس تحفظ کا اظہار کرتے تھے کہ جو لوگ اپنے وجود پر اسلام نافذ نہیں کر پا رہے کیا وہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا کام انجام دے سکیں گے؟ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا وہ قول تو آج بھی کتابوں میں لکھا موجود ہے کہ جو لوگ اپنے چھ فٹ کے لاشے پر اسلام نافذ کرنے سے قاصر ہیں وہ ایک مملکت میں اللہ کا دین کیسے قائم کر سکیں گے؟ اس سب کے باوجود یہ بات اپنی جگہ ہے کہ اسلام کے لیے جذبہ لوگوں کے دلوں میں موجود تھا۔ اور ہم قیادت کے بارے میں بھی کسی سوئے ظن میں مبتلا نہیں ہوتے کہ پاکستان کے قیام کے لیے ان کا کوئی اور مقصد تھا۔ البتہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لیے جو تیاری کی جانی چاہیے تھی وہ نہیں ہو سکی اور اِس کے نتائج ہم آج تک نہ صرف دیکھ رہے ہیں‘ بلکہ بھگت رہے ہیں۔

جب پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہوا اور طے ہو گیا کہ پاکستان ۱۴/اور ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب وجود میں آ جائے گا تو ۱۰/اگست ۱۹۴۷ء کو متحدہ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ہدایت پر ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اِس اجلاس میں پاکستان کے لیے اُس دستور ساز اسمبلی کا انتخاب عمل میں لایا گیا جو پاکستان کے لیے دستور بنائے گی۔ اِس دستور ساز اسمبلی کے لیے چنے گئے ارکان میں محمد علی جناح‘ خواجہ ناظم الدین‘ سردار عبدالرب نشتر‘ راجہ غضنفر علی اور جوگندر ناتھ منڈل شامل تھے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ اِس دستور ساز اسمبلی کا چیئرمین جوگندر ناتھ منڈل کو بنایا گیا۔ مسلم لیگ کی قیادت اُس وقت چاہتی تھی کہ کسی طرح پاکستان وجود میں آ جائے‘ لہٰذا بہت سی چیزوں کو قبول کرنے پر مجبور تھی۔ پھر پاکستان کی جو پہلی کابینہ بنی اُس میں جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون بنا دیا گیا۔ گویا جو ملک اسلامی قانون نافذ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اُس کا وزیر قانون ایک ہندو شخص کو بنا دیا گیا۔ وہ افراد جو اسلامی قانون کے نفاذ کے حوالے سے سرگرم تھے‘ مثلاً علامہ شبیر احمد عثمانی‘ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور لیاقت علی خان‘

وہ دستور ساز اسمبلی میں شامل نہیں کیے گئے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ لوگ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں اُن علاقوں سے منتخب ہوئے تھے جو اقلیتی مسلم علاقے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جب صوبائی اسمبلیوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے نمائندے دستور ساز اسمبلی میں بھیجیں تو چند مخلص افراد کی کوشش سے مشرقی پاکستان کے کوٹے پر یہ تینوں افراد دستور ساز اسمبلی کے رکن بنائے گئے۔

پاکستان کے قیام کے بعد چند فوری مسائل اور اسلامی دستور سازی کا کام ترجیحِ اوّل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کے نفاذ کا معاملہ معطل رہا' البتہ علماء نے اِس حوالے سے کوششیں جاری رکھیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جمعیت علمائے ہند کے مقابلے میں جمعیت علمائے اسلام قائم کی۔ جمعیت علمائے ہند کانگرس کی حلیف تھی اور متحدہ وطنی قومیت کی قائل تھی۔ اُس کے مقابلہ میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد اس لیے رکھی گئی تا کہ اِس کے ذریعہ سے یہاں اسلام کے نفاذ کی منزل سر کی جائے۔ علماء کرام نے مسلم لیگ کی قیادت سے مسلسل رابطہ رکھا اور اُسے یاد دلایا کہ پاکستان کے قیام کے لیے ہماری ساری تحریک اِسی وعدے کی بنیاد پر تھی کہ ہم اسلام نافذ کریں گے۔ لیاقت علی خان مظفر نگر کے علاقے سے منتخب ہوئے تھے۔ اُن کی انتخابی مہم علماء نے چلائی تھی اور وہ اسلام کے نفاذ کے وعدوں کی بنیاد پر وہاں سے منتخب ہوئے تھے۔ جب علماء نے بار بار مسلم لیگی قیادت کو ان کے وعدے یاد دلائے تو ایک موقع پر بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے بتایا کہ ایک کروڑ کے قریب مہاجرین کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا ہے۔ اُن کی آباد کاری کے مسائل اور چند دیگر مسائل کی وجہ سے ہم فوری طور پر اسلام کے حوالے سے پیش رفت نہیں کر سکے' البتہ ہمیں یہ کام کرنا ہے۔

جماعت اسلامی نے پاکستان کے قیام کے بعد اپنی پوری قوت اِس میدان میں لگا دی کہ لوگوں کو اسلامی ریاست کا صحیح تصور دیا جائے اور اس کے صحیح خدوخال لوگوں پر واضح کیے جائیں۔ اس سے پہلے یہ بات صرف نعروں تک محدود تھی۔ اِس معاملے میں محمد علی جناح کے اخلاص کی بات بھی سامنے آتی ہے۔ اُنہوں نے امیر جماعت اسلامی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کو اِس بات کا موقع دیا کہ وہ ریڈیو پاکستان پر تقاریر کے ذریعے لوگوں کے اندر اسلامی نظام اور اسلامی ریاست کا شعور اجاگر کریں۔ جماعتِ اسلامی نے نہ صرف دیہاتوں اور شہروں کے اندر اسلامی ریاست کے صحیح تصور کو واضح کرنے کا کام انجام دیا' بلکہ مہاجرین کی خدمت' آباد کاری' صحت وصفائی کے کاموں کے حوالے سے کام کر کے حکومت کی معاونت بھی کی۔ البتہ حکومت سے دستورِ اسلامی کی تیاری اور نفاذ کے مطالبے کے لیے جو علماء سرگرم تھے'

یعنی مغربی پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی تو اُن کی پشت پناہی کرنے والی مؤثر قوت جماعتِ اسلامی ہی کی تھی۔ جید علماء اور جماعت اسلامی کی مؤثر قوت کی وجہ سے حکومت کے لیے نفاذِ اسلام کے مطالبے کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ حکومت مطالبہ تسلیم کرنے کا وعدہ کرتی رہی' لیکن بہرحال اسلامی دستور بنانے کی طرف عملی پیش رفت قیامِ پاکستان کے ابتدائی مہینوں میں نہ ہو سکی۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں محمد علی جناح جب گورنر جنرل کی حیثیت سے مشرقی پاکستان آئے تو اُن پر بہت زیادہ دباؤ اس حوالے سے ڈالا گیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ عنقریب یہ کام شروع ہو جائے گا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی اس کوشش میں مسلسل لگے رہے کہ دستورِ پاکستان کی تشکیل و ترتیب کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو کتاب وسنت کے مطابق پاکستان کا آئین مرتب کرے اور اسے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کرے۔ آخر کار دستور ساز اسمبلی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کو مجوزہ کمیٹی بنانے کا اختیار دے دیا۔ اُنہوں نے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے ساتھ مشاورت سے ایک کمیٹی تشکیل دی' جو مولانا مناظر احسن گیلانی' مولانا مفتی محمد شفیع' ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر عبد المجید حیدر آبادی (رحمہم اللہ) پر مشتمل تھی۔ اِس کمیٹی نے تین ماہ کی قلیل مدت میں ایک دستوری خاکہ مرتب کر لیا جو ہر اعتبار سے جامع اور قابلِ عمل تھا۔ قبل اس کے کہ یہ دستوری خاکہ اسمبلی کے اندر پیش ہوتا ۱۱ستمبر ۱۹۴۸ء کو محمد علی جناح کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد یہ کام پھر تعطل کا شکار ہو گیا۔

علماء کرام اور جماعت اسلامی نے نفاذِ اسلام کے حوالے سے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ حکومت میں شامل چند عناصر نے اِس جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کے لیے اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مولانا مودودیؒ اور اُن کے دو ساتھیوں کو گرفتار کرا دیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور یہ جدوجہد آگے بڑھتی گئی' اور حکومت پر دباؤ اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ اُسے مذکورہ دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش کرنا پڑا۔ لیاقت علی خان اگرچہ قائد ایوان تھے لیکن دستوری خاکہ کی منظوری کی قرارداد اُنہوں نے خود پیش کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے قرارداد کی حمایت میں تقریر کی اور وہاں موجود معترضین کے اعتراضات کو رفع کیا۔ پھر بھی کچھ لوگ معترض رہے۔ اس پر لیاقت علی خان نے فرمایا کہ اتنے بڑے ایوان میں نو یا دس افراد کی مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہم اُن کے بغیر بھی کثرتِ رائے سے دستوری خاکہ منظور کرا سکتے ہیں' لیکن جب بھی پاکستان کی تاریخ لکھی جائے گی تو یہ

بات کہی جائے گی کہ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے پاکستان کے اس ابتدائی آئین کے خاکہ کی مخالفت کی تھی جو اسلام کے حوالے سے پیش کیا گیا تھا۔ مخالفین اپنے آپ کو کس روسیاہی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں؟ اس کے بعد دستوری خاکہ کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا اور اسی کا نام ''قراردادِ مقاصد'' ہے۔ یہ قرارداد مقاصد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور ہوگئی' لیکن اس سے پہلے کہ یہ قرارداد اگلے مراحل طے کرتی اور اس کی بنیاد پر ایک مفصل اسلامی دستور بنایا جاتا علامہ شبیر احمد عثمانی کا ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو انتقال ہوگیا۔ جس طرح انہوں نے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کی وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے اور اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

قراردادِ مقاصد منظور ہو جانے کے بعد جماعتِ اسلامی نے تسلیم کر لیا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ جماعت کی شوریٰ نے چوبیس روز مسلسل غور و خوض کرنے کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ قراردادِ مقاصد کے منظور ہو جانے کے بعد ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے' لہٰذا اب اس ریاست کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت وہ نہیں ہوگی جو اس سے پہلے تھی۔ اب ہم ایک اسلامی ریاست کے طور پر اس سے معاملات کریں گے۔ اب اس کی نوکری کرنا جائز ہوگا' اس کی عدالتوں میں جانا جائز ہوگا' اس کی اسمبلیوں کا انتخاب لڑنا جائز ہوگا اور عارضی طور پر جب تک تبدیلی نہیں ہوتی اس کے قوانین پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ جماعتِ اسلامی نے یہ بات بھی طے کر لی کہ اب پاکستان میں اُس کی جدوجہد آئینی ہوگی اور وہ انتخابات کے ذریعے اس ملک میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے گی۔

دوسری طرف حکومت میں شامل شریعت مخالف عناصر نے اپنی ریشہ دوانیوں سے قراردادِ مقاصد کو مؤثر نہیں ہونے دیا۔ یعنی ایک طرف تو ہم نے یہ سمجھ لیا کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان اب اسلامی ریاست بن گیا ہے' لیکن دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ قرارداد مقاصد منظور ہو جانے کے باوجود بھی مؤثر نہیں ہو سکی۔ طویل عرصے تک یہ صورتِ حال برقرار رہی۔ ضیاء الحق کے دور میں بالآخر قراردادِ مقاصد کو دستور کے عملی حصہ میں شامل کیا گیا۔ اس سے پہلے یہ ہر دستور میں دیباچے کی حیثیت سے شامل رہی۔ اس کے نتیجے میں اسلام کے نفاذ کے حوالے سے جو کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو سکا۔

قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد ۱۹۴۹ء ہی میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تجویز پر حکومت نے ''تعلیماتِ اسلامی بورڈ'' کے نام سے ایک ادارے کی منظوری دی تھی۔ بورڈ کی صدارت

کے لیے علامہ سید سلیمان ندویؒ کا نام تجویز ہوا تھا۔ وہ اُس وقت بھوپال میں سپریم کورٹ کے قاضی القضاء یعنی چیف جسٹس تھے۔ انہیں دعوت دی گئی کہ وہ پاکستان آئیں اور تعلیماتِ اسلامی بورڈ کے کام کو سنبھالیں۔ علماء کے دباؤ پر وہ یہاں آئے' لیکن حکومت کے رویہ کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ حکومت اسلام کے نفاذ کے معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ اُنہیں پیشکش کی گئی کہ وہ ڈیڑھ ہزار روپے ماہانہ پر تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ سید سلیمان ندویؒ کا کہنا یہ تھا کہ پہلے شرائط طے کی جائیں کہ کام کیا کرنا ہے' کیسے کرنا ہے اور کیا اختیارات دیے جائیں گے؟ لیاقت علی خان نے اُن سے کہا کہ آپ ملازمت قبول کر لیں' باقی چیزیں بعد میں طے ہوتی رہیں گی۔ اُنہوں نے یہ بات قبول نہیں کی۔ البتہ تعلیماتِ اسلامی بورڈ ان کے بغیر کام کرتا رہا۔

۱۹۵۰ء میں لیاقت علی خان صاحب نے ایک لاء کمیشن بنایا۔ اس کمیشن کا مقصد یہ تھا کہ مروجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی سفارشات کا جائزہ لیا جائے کہ وہ اسلامی سانچے میں پوری اترتی ہیں یا نہیں۔ کمیشن میں جسٹس رشید' جسٹس میمن اور علامہ سید سلیمان ندویؒ شامل تھے۔ بعد میں مفتی محمد شفیعؒ کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا۔ تعلیماتِ اسلامی بورڈ اور لاء کمیشن کی کاوشوں سے اسلامی دستور کا ایک مکمل خاکہ حکومت کو پیش کیا گیا۔ اس خاکہ میں جو سفارشات مرتب کی گئیں وہ حکومت کے لیے ناقابل قبول تھیں۔ حکومت نے نہ صرف یہ کہ اس خاکہ کو منظور نہیں کیا بلکہ اسے منظر عام سے غائب کر دیا۔

اس کے بعد لیاقت علی خان نے کسی اور کا تیار کردہ دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش کر دیا جسے علماء نے مسترد کر دیا اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے کا اعلان کیا۔ علماء کے حکومت کے ساتھ مذاکرات ہوئے اور یہ وہ موقع تھا جب لیاقت علی خان نے یہ بات کہی کہ کس مسلک کے اسلامی دستور کو نافذ کیا جائے؟ اس بات کے جواب میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ' دیگر علماء اور جماعت اسلامی کی شب و روز محنت کے نتیجہ میں کراچی میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا۔ یہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے اکتیس علماء کا اجتماع تھا جس کی صدارت سید سلیمان ندویؒ نے کی۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر بائیس نکات مرتب کیے گئے۔ حکومت کو بتایا گیا کہ یہ وہ نکات ہیں جن کی روشنی میں اسلامی دستور سازی کا کام ہونا چاہیے۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ تعلیماتِ اسلامی بورڈ کا مرتب کردہ مسودہ فراہم کیا جائے تاکہ علماء متفقہ طور پر ایک مفصل دستور بھی بنا کر حکومت کو پیش کر دیں۔ حکومت نے مطلوبہ مسودہ

فراہم نہیں کیا اور اسلامی دستور سازی کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔

۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیے گئے۔ ملک غلام محمد اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قراردادِ مقاصد کی مخالفت کی تھی' لہٰذا اُس سے کیسے توقع رکھی جاسکتی تھی کہ وہ ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ کے لیے کام کرے گا۔ خواجہ ناظم الدین پر علماء نے نفاذِ اسلام کے لیے دباؤ ڈالا۔ انہوں نے کراچی میں علماء کو مدعو کیا۔ گیارہ علماء ان سے ملاقات میں شریک ہوئے۔ تفصیلی گفتگو کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وعدہ کیا کہ آئین اسلام کے مطابق بنایا جائے گا' لیکن ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو جو دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش کیا گیا اس میں قانون سازی پر قرآن حکیم کی پابندی کا ذکر تو کیا گیا لیکن حدیث و سنت کا تذکرہ غائب کر دیا گیا۔ علماء کے اعتراض پر خواجہ ناظم الدین نے وعدہ کیا کہ وہ قرآن کے ساتھ سنت کا اضافہ کر کے دستوری خاکہ اسمبلی سے منظور کرا لیں گے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ملک غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو برخواست کر دیا جس سے یہ متفقہ دستور پھر دھرے کا دھرا رہ گیا۔ ملک غلام محمد نے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے ۲۴/ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مجلسِ دستور ساز کو بھی توڑ دیا اور کابینہ بھی ختم کر دی۔ دستور سازی کے حوالے سے اب تک کا کام بالآخر بیک قلم ختم ہو گیا۔ دینی قوتوں نے ہمت نہیں ہاری اور اسلامی دستور کے مطالبہ کو زندہ رکھا۔

اکتوبر ۱۹۵۵ء میں چوہدری محمد علی وزیر اعظم بنے۔ ان کی کوششوں سے ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء کو پاکستان کی تاریخ کا پہلا دستور منظور ہوا۔ اس دستور میں کسی حد تک اسلام کا تذکرہ تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب دستور کے ذریعہ پاکستان کے لیے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کا نام طے کیا گیا۔ دین مخالف قوتیں ایک بار پھر متحرک ہوئیں اور ۷/ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو سکندر مرزا نے مارشل لاء لگا کر آئین توڑ دیا۔

اس کے بعد' اسلام کی جدوجہد میں وہ جوش و خروش نظر نہیں آتا جو پہلے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف دین کا درد رکھنے والے مخلص افراد جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا تھا' آہستہ آہستہ رخصت ہوتے چلے گئے اور دوسری طرف پاکستان پر اُن لوگوں کی گرفت مضبوط ہوتی اور بڑھتی گئی جو کسی بھی طرح پاکستان کے اندر اسلامی دستور کے نفاذ کے لیے تیار نہ تھے۔

اس کے بعد ایوب خان کا زمانہ آجاتا ہے۔ ایوب خان نے ۱۹۶۲ء میں دستور بنایا اور کوشش کی کہ پاکستان کے نام سے ''اسلامی'' کا لفظ نکال دیا جائے' پاکستان کو صرف

''جمہوریہ پاکستان'' کہا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ''مسلم فیملی لاز آرڈیننس'' کے نام سے ایسے عائلی قوانین نافذ کر دیے جو تمام مکاتبِ فکر کے علماء کے نزدیک غیر شرعی تھے۔ اِن قوانین کے خلاف علماء نے آواز اُٹھائی' لیکن اب معاملہ پیش رفت کا نہیں بلکہ کسی درجہ میں پسپائی کا ہوتا چلا گیا۔

۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان دولخت ہو گیا۔ اندرا گاندھی نے اس موقع پر کہا کہ ہم نے اُس دو قومی نظریے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ پھر ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۳ء میں آئین بنایا۔ اُس آئین میں تسلیم کیا گیا کہ ریاست کا مذہب اسلام ہوگا' صدر اور وزیر اعظم کے عہدوں پر صرف مسلمان کا تقرر کیا جاسکے گا' اسلامی نظریاتی کونسل کو اسلامی قوانین کی تدوین کے لیے رہنما ادارے کے طور پر تشکیل دیا جائے گا۔ یہ وہ موقع ہے کہ نفاذِ اسلام کے لیے ساری جدوجہد کا ایک ثمر کسی درجہ میں سامنے آیا۔ اسمبلی میں جماعت اسلامی کے چار اراکین سمیت قلیل تعداد ایسے اراکین کی تھی جو نفاذِ اسلام کی سوچ رکھتے تھے۔ ان قلیل افراد کی کاوشوں اور خاص طور پر پروفیسر غفور احمد صاحب کی محنت سے وہ دفعات دستور کا حصہ بن گئیں جن کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ دستور کا بڑا حصہ اسلامی ہو گیا۔ ہاں قراردادِ مقاصد ابھی بھی دستور کا دیباچہ ہی رہی اور اس کا عملی حصہ نہ بن سکی۔

اللہ تعالیٰ نے بھٹو صاحب سے اسلامی دستور کی تیاری کے علاوہ ایک اور اہم کام یہ لیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوا دیا۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے ایک متفقہ بل کی منظوری دے کر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ یہ نفاذِ اسلام کے حوالے سے بھی بہت بڑا کام تھا۔ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں سے نجات ملنے کی صورت پیدا ہوئی۔ بھٹو صاحب کے خلاف ۱۹۷۷ء میں جب نظامِ مصطفیٰؐ کے نفاذ کے حوالے سے تحریک چلی تو انہوں نے اسلام کے حوالے سے چند اچھے کام کیے۔ شراب اور جوئے پر پابندی لگائی اور جمعہ کی چھٹی کا اعلان کیا۔ یہ بھی نفاذِ اسلام کے حوالے سے ایک اہم بات ہے کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ جمعہ کی چھٹی طے کی گئی۔ بدقسمتی سے ۲۳ فروری ۱۹۹۷ء کو وزیر اعظم نواز شریف نے اس چھٹی کو منسوخ کر دیا۔

تحریک نظامِ مصطفیٰؐ سے نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی طرف تو کوئی پیش رفت نہ ہوئی' البتہ ضیاء الحق صاحب تشریف لے آئے۔ ضیاء الحق کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ' جس کے بارے میں ہم ان کے ممنون ہیں' یہ ہے کہ انہوں نے قراردادِ مقاصد کو آئینِ پاکستان کا ایک عملی حصہ بنا دیا اور اس کی بنیاد پر پاکستان کا آئین زیادہ اسلامی ہو گیا۔ انہوں نے صلوٰۃ

آرڈیننس، زکوٰۃ آرڈیننس اور حدود آرڈیننس بھی نافذ کیے۔ البتہ معاشرہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بہر حال تیار نہیں تھا۔ حدود آرڈیننس کے خلاف پاکستان میں جلوس نکلتے رہے۔ یعنی ایسا طرزِ عمل بھی سامنے آیا جس کے بارے میں کسی مسلم معاشرے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ ضیاء الحق صاحب نے شریعت مخالف عناصر کی پروا نہیں کی۔ انہوں نے وفاقی شرعی عدالت قائم کی اور سپریم کورٹ میں شریعت اپیلٹ بینچ بھی بنایا۔ ان کے دور میں تحفظِ ناموسِ رسالت کا قانون بھی بنا۔ اس سب کے باوجود وہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے کوئی بڑا کردار ادا نہیں کر سکے۔

افغان جہاد کا معاملہ بھی ضیاء الحق کے دور میں شروع ہو گیا۔ افغان جہاد نے جہاد فی سبیل اللہ کی ایک فکر پھر سے پروان چڑھائی۔ یہ فکر صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے حوالے سے دنیا بھر میں اجاگر ہوئی۔ دنیا بھر سے لوگ اس جہاد کے حوالے سے پاکستان آئے اور پاکستان سے سرکاری طور پر اس کی سرپرستی کی گئی۔ امریکہ نے اپنے مفادات کی بنیاد پر بعد میں اس جہاد کی حمایت کی، لیکن بنیادی طور پر یہ مسلمانوں کا اپنا جذبہ تھا جس نے اِسے تقویت دی۔ اس جہاد کے ذریعے سے امت کے اندر اور کئی ممالک میں اسلامی بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔

پھر ۲۰۰۱ء میں نائن الیون کا معاملہ آ گیا۔ نائن الیون کے معاملے سے جہاں شر پھیلا وہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے ایک خیر بھی پیدا فرمایا۔ اس کے ذریعہ اسلام سے تعلق کے حوالے سے جہاں کچھ پسپائی نظر آتی ہے وہاں کچھ پیش رفت بھی ہوئی۔ پاکستان میں امریکہ کے ساتھ تعاون اور دینی عناصر کے خلاف کارروائیوں کا افسوسناک معاملہ ہوا، لیکن افغانستان میں امریکہ کے خلاف کامیاب جہاد نے امتِ مسلمہ میں ایمان کی ایک نئی حرارت پیدا کر دی۔

یہ بات ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ علماء اور اسلامی جماعتوں نے پاکستان بنانے کے لیے اور پاکستان بنانے کے بعد اس کو ایک اسلامی مملکت بنانے اور خصوصیت سے اسلامی دستور کی تیاری اور نفاذ کے لیے جو مسلسل جدوجہد کی وہ اثر انگیز ہوئی۔ اس جدوجہد نے حکمرانوں پر ایسا دباؤ قائم رکھا جس کے نتیجے میں جو بھی دستور بنتے رہے وہ اسلام سے بہر حال آزاد نہیں تھے اور سیکولر نہیں تھے۔ اگر دینی قوتیں جدوجہد نہ کرتیں تو آج پاکستان دوسرا ترکی ہوتا اور پاکستان میں اسلام کا نام لینا، اسلام کے لیے جدوجہد کرنا ممکن نہ ہوتا۔ آج ہمارے لیے یہاں دینی کام کرنے کی آزادی ہے اور اسلام کے اعتبار سے کام کرنے کے زرخیز مواقع موجود ہیں۔ ہم خود ہی کام نہ کریں تو یہ ایک دوسری بات ہے۔

یہ چھیاسٹھ سال کی جدوجہد کا نتیجہ اور ثمرہ ہے کہ پاکستان کو آج تک بھرپور مخالفانہ کوششوں کے باوجود سیکولر ریاست نہیں بنایا جاسکا۔ پاکستان پر کمیونزم اور سوشلزم کے تصورات کی یلغار بھی کی گئی۔ خاص طور پر تعلیمی اداروں میں یہ گمراہ کن تصورات پھیلانے کی کوشش کی گئی، لیکن اسلامی فکر رکھنے والوں نے اس یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مولانا مودودیؒ کے لٹریچر سے رہنمائی لے کر اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوانوں اور دیگر رجالِ دین نے ایسی زبردست جدوجہد کی کہ گمراہ کن تصورات کو تعلیمی و معاشی اداروں سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

آج دینی جماعتیں یا دینی افراد کے حوصلے پست کرنے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔ ہمیں اس کوشش کو ناکام بنانا ہے۔ ہمیں اپنے اکابرین کی قربانیوں کو یاد رکھنا ہے اور ان کی جدوجہد کو آگے بڑھانا ہے۔ الحمد للہ! پاکستان میں اکابرین کی کاوشوں سے ہم بانگِ دہل اسلامی نظام کے قیام کی بات کر سکتے ہیں، دستور کو مکمل اسلامی رنگ دینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور پورے نظام کی تبدیلی کی آواز اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اب تک کی جانے والی دینی کوششوں کا جائزہ لیں اور پھر تجزیہ کر کے اسباب تلاش کریں کہ یہ کوششیں اپنے پورے نتائج کیوں نہ لا سکیں؟ کیا اس کی بڑی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ ہم نے معاشرے کو اسلام کے نظام کے قیام کے لیے تیار نہیں کیا؟ ہم نے افراد کی وہ ذہن سازی نہیں کی کہ اسلام کا نفاذ آج معاشرے کی واقعی آواز بن جائے۔ صرف خواہش کی بات چھوڑ دیجیے، واقعی آواز بن جائے اور معاشرہ اس کے قیام کو واقعی اپنا نصب العین قرار دے دے، اس کے لیے ہر ممکن کوشش اور جدوجہد کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس کے لیے وہی طریقہ مفید ہے جو پہلے دن سے ہمیں دے دیا گیا تھا، یعنی تطہیرِ افکار، اصلاحِ معاشرہ اور ان سب کے ساتھ انقلابِ قیادت کی جدوجہد۔ یہ کام اِسی انداز میں کیا جائے تو ذہنی طور پر یہ معاشرہ اسلامی نظام کے بوجھ کو سہارنے کے لیے نہ صرف تیار ہو جائے گا بلکہ اپنے اندر خود ایسی قوت پیدا کر لے گا جو سیکولر طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کو نیست و نابود کر دے گی۔ ان شاء اللہ! اسلام پسند جماعتوں، افراد اور علماء کا کردار ایک مرتبہ پھر ابھر کر سامنے آئے گا اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد کامیاب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جدوجہد کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نفاذِ اسلام کے لیے

علمائے کرام کے بائیس نکات

پاکستان کے آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کراچی میں مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہر طبقۂ فکر اور مسلک کے علمائے دین کا ایک چار روزہ طویل اجتماع ہوا۔ اِس اجتماع میں جو علماء شریک ہوئے اُن کے نام یہ ہیں:

مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد بدر عالم، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا خیر محمد، مولانا مفتی محمد حسن، پیرامین الحسنات، پیر مانکی شریف، مولانا محمد یوسف بنوری، خلیفہ حاجی ترنگ زئی، قاضی عبدالصمد سربازی، مولانا اطہر علی، مولانا محمد صالح، مولانا راغب احسن، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا داؤد غزنوی، مفتی جعفر حسین، مولانا کفایت حسین، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حبیب اللہ، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، پروفیسر عبدالخالق، مولانا شمس الدین فرید پوری، مفتی محمد صاحب داد، پیر محمد ہاشم مجددی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظفر احمد انصاری۔

ان علماء نے دستورِ پاکستان کی اساس کے لیے بائیس اصول پیش کیے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے ربّ العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب وسُنّت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا حکم دیا جاسکے گا جو کتاب وسُنّت کے خلاف ہو۔

تشریحی نوٹ: اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب وسنّت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معیّنہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کردیے جائیں گے۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول ومقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب وسنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائرِ اسلام کے احیاء واعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد واخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیتِ جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے اُبھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیازِ مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتسابِ رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظِ جان ومال وآبرو، آزادیٔ مذہب ومسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہارِ رائے، آزادیٔ نقل وحرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادے کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِ جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمیٔ موقع صفائی وفیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انھیں اپنے پیرووں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان کے قاضی یہ فیصلے کریں گے۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انھیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم ورواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدودِ شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں‘ ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن شہری حقوق کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲۔ رئیسِ مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے‘ جس کے تدین‘ صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے مختلف نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیسِ مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا‘ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیسِ مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی‘ یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

۱۵۔ رئیسِ مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کُلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیسِ مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہ کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیسِ مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عُمّالِ حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ‘ محکمہ انتظامیہ سے آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئتِ انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکتِ اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکتِ واحدہ کے اجزائے انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی‘ لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی‘ جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا‘ مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

☆☆☆

مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر
علماءِ کرام کا تبصرہ

۲ مارچ کو مرکزی حکومت نے مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے نام سے جو قانونی حکم صادر کیا ہے اور اس کو پیش کرتے ہوئے وزیر قانون جناب محمد ابراہیم صاحب نے جو توضیحی بیان دیا ہے اس کو ہم نے بغور دیکھا۔ ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پچھلے پانچ سال کے دوران میں عائلی کمیشن کی رپورٹ پر اہلِ علم (یعنی علمِ دین کے جاننے والوں) کی طرف سے جو مدلّل تبصرے کیے گئے تھے اور اس کی کمزوریوں کی جو صاف صاف نشان دہی خود کمیشن کے ایک عالمِ دین رکن اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی ان سب کو مرکزی حکومت نے بے تکلف نظر انداز کر دیا اور اس کمیشن کی بیشتر سفارشات کو قانون کا جامہ پہنا دیا۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ وزیر قانون نے اس نئی قانون سازی کو عین مطابقِ قرآن قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ تاہم یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ آرڈیننس کو فوری طور پر نافذ العمل قرار نہیں دیا گیا ہے اور اس کے نفاذ کو آئندہ کے کسی اعلان تک مؤخر رکھا گیا ہے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پورے دلائل کے ساتھ اس آرڈیننس کی کمزوریوں اور اس کے نقصانات کو واضح کرنا چاہتے ہیں' تاکہ حکومت پھر ایک مرتبہ غور کرے اور اس غلطی کی تلافی کرے۔ اب تک موجودہ حکومت کی یہ ایک قابلِ قدر روایت رہی ہے کہ اس کے کسی فیصلہ کی غلطی اگر اس پر واضح کر دی گئی ہے تو اس نے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے میں تامل نہیں کیا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈیننس کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

ذیل میں آرڈیننس کی قابلِ اعتراض دفعات پر سلسلہ وار تبصرہ اسی تعمیری غرض کے لیے پیش کیا جا رہا ہے:

دفعہ نمبر ۴:

اِس دفعہ کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مورث کی زندگی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ محترم وزیر قانون کے خیال میں یہ قرآنی قانون کی پیروی ہے' لیکن اس کے اندر قرآن کے چار صریح قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے:

۱) قرآن ایک مورث کے ترکے میں صرف اُن رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں' لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہوں۔ اس دفعہ کی رو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انہیں مردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ حصہ تقسیم کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیت سے یہ قانونی مفروضات اور قانونی حیلے اخذ کیے گئے ہیں۔

۲) قرآنِ کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے گئے ہیں ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں' باپ' بیوی' شوہر اور مورث کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں۔ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی ہے کہ مورث کی زندگی میں مر جانے کے باوجود وہ حصہ وصول کرنے کے لیے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کیے جائیں گے اور پھر آگے حصہ تقسیم کرنے کے لیے مردہ تسلیم کر لیے جائیں گے۔ یہ امتیاز قرآن کی کس نص یا اس کے کس اقتضاء یا دلالت یا اشارے سے ماخوذ ہے؟

۳) قرآن کی رو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا حق ہے' قطع نظر اس کے کہ وہ صاحبِ اولاد ہوں یا نہ ہوں' شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں' بالغ ہوں یا نہ ہوں' لیکن اس آرڈیننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لاولد مر گئے ہوں ان کو تو حصہ وصول کرنے کے لیے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں صرف اُن کا حصہ وصول کیا جائے گا۔ اس امتیاز کے لیے

قرآن کریم میں کیا دلیل ہے؟

۴) یہ آرڈیننس مزید امتیاز یہ برتتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصہ پہنچاتا ہے۔ دراں حالیکہ قرآن کی رو سے اگر مورث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو وہ پھر ان کی ماں یا ان کے باپ اور اُن کی بیوی یا اُن کے شوہر کو بھی پہنچنا چاہیے۔ مثلاً اگر ایک متوفیہ بیٹی کا حصہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حقدار ہے اگر وہ زندہ ہو اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ باپ سے حصہ پا رہی ہو اور اس کا باپ بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ ماں سے حصہ پا رہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کو حصہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کو چھوڑ دینا قرآن کے کس حکم پر مبنی ہے؟

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے‘ اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ لیکن یہ عذر دو وجوہ سے بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے‘ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مال دار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہوجاتا‘ اگر قانونِ میراث بنانے سے قرآن کا منشاء یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہوگا یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشاء ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد‘ دادا اور نانا کی میراث میں اُن کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو آخر کیا امر اس میں مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشاء کو ایک صاف حکم کے ذریعے سے کھول دیتا؟ اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو یہ منشاء نبی ﷺ سے تو مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ انہوں نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا؟ اگر حضور ﷺ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ ہے کہ قرآن کا یہ منشاء تمام خلفاء سے‘ تمام صحابہؓ سے‘ تمام ائمہ اہل بیت سے‘ تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہا سے مخفی رہ گیا اور اس کو پایا تو اس زمانہ میں چند اُن لوگوں نے جنہوں نے چاہے جس علم کی بھی تعلیم و تربیت پائی ہو‘ قرآن و سنت کے علم کی تعلیم و تربیت نہیں پائی۔ باپ کی زندگی میں فوت ہوجانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو رفع

کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علماء کی طرف سے پیش کیا جاچکا ہے‘ مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ البتہ اس معاملے میں شریعت کے خلاف طریقوں کو درخورِ اعتنا سمجھا جاتا ہے اور انہیں رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دفعہ نمبر ۵:

اس دفعہ کی رو سے یہ لازم کیا گیا ہے کہ تمام نکاح جو کسی علاقے میں ہوں‘ وہ اس علاقے کی یونین کونسل کے مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے پاس درج کیے جائیں اور اگر نکاح رجسٹرار کے سوا کسی اور نکاح خواں نے پڑھایا ہو تو اس کی اطلاع نکاح رجسٹرار کو کی جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تین مہینے قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جہاں تک کہ نکاح کی رجسٹری کا تعلق ہے اس کی ضرورت اور اس کے فائدے سے انکار نہیں۔ اگر اس رجسٹری کے لیے ملک میں جگہ جگہ مناسب انتظامات موجود ہوں اور لوگوں کے علم میں اس کے فائدے لائے جائیں تو امید ہے کہ لوگ خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے رجسٹریشن کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن اس کو قانوناً لازم کرنا اور اس کی خلاف ورزی کو ایک جرم مستلزم سزا قرار دینا متعدد وجوہ سے غلط ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح شرعاً بالکل صحیح طور پر منعقد ہوجاتا ہے اگر عورت اور مرد نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کرلیا ہو۔ نکاح کا خطبہ پڑھا جانا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کسی قاضی یا عالم کا موجود ہونا اور اس کا خطبہ پڑھنے کے بعد ایجاب و قبول کرانا زائد از ضرورت مستحبات میں سے ہے۔ نکاح اس کے بغیر منعقد ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ رجسٹریشن کا حکم نکاح خواں کا ایک باقاعدہ منصب قائم کرتا ہے۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ جس نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو اور شریعت کے مطابق دو شہادتیں اس پر قائم ہوجائیں‘ آیا اس کو آپ کی عدالت تسلیم کرے گی یا نہیں؟ اس نکاح کی بنا پر عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا جائز وارث تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ ان سے پیدا شدہ اولاد کو جائز اولاد مانا جائے گا یا نہیں؟ وہ اولاد اپنے باپ سے میراث پائے گی یا نہیں؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو یہ شریعتِ اسلامیہ سے کھلا تصادم ہے‘ کیونکہ شریعت کی رو سے ایک نکاح جائز ہوگا اور آپ کے قانون کی رو سے ناجائز ہوگا۔ شریعت کی رو سے کچھ حقوق ثابت ہوں گے اور آپ کے قانون کی رو سے وہ باطل ہوجائیں گے۔ اور اگر ان سوالات کا

جواب اثبات میں ہے تو پھر آپ کا ازروئے قانون رجسٹریشن کو لازم کرنا اور رجسٹری نہ کرانے والوں کو سزائیں دینا عملاً بے معنی ہو جاتا ہے۔

تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ آیا واقعی یہ رجسٹریشن جائز نکاحوں کے ثبوت کا کوئی یقینی ذریعہ ہے؟ اور آج تک مسلمانوں میں جو نکاح رجسٹری کے بغیر ہوتے رہے ہیں ان پر اس طریقے کو کوئی واضح فوقیت حاصل ہے؟ ہمارے خیال میں تو رجسٹریشن کو اس حد تک اہمیت دینا صحیح نہیں ہے۔ ملک کی موجودہ بگڑی ہوئی حالت میں اس بات کا بہت کافی امکان ہے کہ ایک با اثر غنڈہ رشوت اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا بالکل فرضی اندراج کرادے‘ اور اس پر اپنے ساتھی غنڈوں کی گواہیاں ثبت کرادے۔ اس طرح کے اندراجات سے وہ ساری قباحتیں پیدا ہوسکتی ہیں‘ جو مروّج طریق نکاح کی صورت میں فرض کی جاسکتی ہیں۔

ان وجوہ سے ہم پھر اپنی اس رائے پر اصرار کریں گے کہ رجسٹریشن کی سہولتوں کو صرف مہیا کردینے پر اکتفا کیا جائے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کا عادی کیا جائے کہ وہ رضا کارانہ طریقے پر ان سے فائدہ اٹھائیں۔ معاشرے کے ہر مسئلہ کو جبر وتعزیر کے زور سے حل کرنے کی کوشش نہ صحیح ہے اور نہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۶:

یہ دفعہ تعدّدِ ازواج پر پابندیاں عائد کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس دفعہ کا تجزیہ کرکے اس پر بحث کریں‘ ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعددِ ازواج کو اصلاً ایک برائی سمجھنا اور صرف ناگزیر ضرورت کی حالت میں اس کو جائز قرار دینا ایک غیر اسلامی تخیل ہے۔ اسلام اس تخیل سے قطعاً ناآشنا ہے۔ یہ مغرب سے درآمد ہوا ہے اور اس کے جواز کو ناگزیر ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی کوشش مغرب کے سامنے ایک معذرت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام اور پیشوا اور مقتدا قرار دیتا ہے‘ اُن میں سے بیشتر تعددِ ازواج پر عامل تھے۔ خود سرورِ انبیاء سیدنا محمد ﷺ کی متعدد بیویاں تھیں۔ کوئی منکرِ حدیث بھی اس امر واقعہ سے انکار نہیں کرسکتا‘ کیونکہ قرآن میں خود نبی ﷺ کی ازواج کا ذکر ہے ﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾‘ ﴿قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔ پھر نبی ﷺ کے چاروں خلفاء‘ بیشتر صحابہؓ‘ اکثر ائمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابرین جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔ اُن میں سے کس کس کے متعلق آخر آپ ثابت کریں گے کہ اُن کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی؟ اس چیز کو

اصلاً ایک برائی تسلیم کرلینے کے بعد تو لازماً یک زوجی کے قائل اہلِ مغرب بہت سی ناجائز داشتائیں اور آشنائیں رکھنے کے باوجود صالح قرار پاتے ہیں‘ اس لیے کہ ان میں سے کسی نے کسی ضرورت کی بنا پر بھی ایک سے زائد قانونی بیویاں نہیں رکھیں‘ اور مسلمانوں کے بیشتر اکابر کم از کم نیم صالح تو قرار پاتے ہی ہیں‘ کیونکہ وہ ضرورتاً اس برائی پر عمل کرتے رہے۔

مزید برآں یہ بات قابلِ غور ہے کہ تعددِ ازواج کے معاملے میں تو ہمارے وزیر قانون صاحب اور ہمارے دوسرے لیڈروں اور حکمرانوں کو قرآن کا کوئی مخفی منشاء تلاش کرکے اس پر پابندیاں عائد کرنے کی اس قدر سخت ضرورت محسوس ہوئی‘ لیکن قرآن نے جن برائیوں کو صریح الفاظ میں منع کیا ہے ان میں سے کسی کو قانون کے ذریعہ سے روکنے کی انہوں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر ایک شخص ایک بیوی کے موجود ہوتے ہوئے طوائفوں کے ہاں جائے یا کوئی داشتہ رکھے یا آزادانہ شہوت رانی کرتا پھرے تو فرمایئے کہ آپ کے قانون میں اس کے لیے کیا رکاوٹ ہے؟ کیا سزا اس کے لیے تجویز کی گئی ہے؟ کن بیگمات نے اس کے خلاف کبھی احتجاج کیا اور اُس کو ازروئے قانون روکنے کا کبھی مطالبہ کیا؟ کب آپ نے کوئی کمیشن بٹھایا کہ اس کے سدِّ باب کے لیے بھی کوئی تدبیر تجویز کی جائے؟ اس صریح برائی کو تو آپ رواداری کا مستحق سمجھتے ہیں‘ حالانکہ قرآن اسے انتہائی سخت جرم قرار دیتا ہے اور اس کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے‘ مگر تعددِ ازواج پر آپ پابندیاں عائد کرنے کی فکر کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طرزِ عمل کسی صحیح ذہنیت کی غمازی نہیں کرتا۔ کیوں صاف صاف یہ اعتراف نہیں کیا جاتا کہ قرآن کا منشاء پورا کرنا پیش نظر نہیں ہے بلکہ اُن اہلِ مغرب کے سامنے معذرت پیش کرنا مقصود ہے جو مسلمانوں سے سابقہ پیش آتے ہی سب سے پہلے تعددِ ازواج پر برسنا شروع کردیتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ غیر قانونی تعددِ ازواج اُن کے ہاں جس بڑے پیمانے پر رائج ہے اتنا مشکل ہی سے دنیا کی کسی سوسائٹی میں آج تک رائج رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ اُن کے بعض ملکوں میں آج خود یو۔این۔او کی ایک رپورٹ کے مطابق ناجائز ولادتوں کا اوسط ۶۰ فی صدی تک پہنچ چکا ہے۔

اب ہم اس دفعہ کے مشتملات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس میں ایک شخص کو‘ جو ایک بیوی یا زائد بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کرنا چاہتا ہو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اوّلاً وہ اپنی موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے‘ ثانیاً اپنے علاقہ کی یونین کونسل کے چیئرمین سے اجازت حاصل کرنے کی درخواست کرے‘ ثالثاً ایک پنچایت کو جو اس شخص کے نمائندے

اور اس کی بیوی یا بیویوں کے نمائندے اور یونین کونسل کے چیئرمین پر مشتمل ہوگی‘ اس بات پر مطمئن کرے کہ اس کا مزید ایک بیوی کرنا ضروری اور حق بجانب ہے۔ ان شرائط کی تکمیل کے بعد پنچایت سے اجازت نامہ حاصل کرنے پر وہ نکاح کرنے کا مجاز ہوگا۔ لیکن پنچایت کے اس فیصلے کے خلاف مغربی پاکستان میں کلکٹر کے پاس اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفیسر کے پاس نگرانی کی جاسکے گی اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جس کے خلاف کہیں کوئی اپیل نہ ہوسکے گی‘ قطع نظر اس کے کہ وہ نکاح کی اجازت دینے کے حق میں ہو یا اجازت منسوخ کرنے کے حق میں۔ مزید برآں اس دفعہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا قاعدہ کے خلاف نکاح کرلے:

۱) اس کی بیوی یا بیویوں کو فوراً پورا مہر دلوایا جائے گا‘ خواہ اصلاً وہ مہر معجّل ہو یا مؤجل۔
۲) اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔
۳) اس کا نکاح علاقے کے رجسٹرار کے پاس درج نہیں کیا جائے گا‘ (جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ وہ سرے سے قانوناً مسلم ہی نہیں ہوگا۔)
۴) اس کی بیوی یا بیویوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس شکایت کی بنیاد پر عدالت میں خلع کا مطالبہ کرے یا کریں۔

وزیر قانون صاحب ہم کو یہ یقین دلانے کی کوشش فرماتے ہیں کہ سب کچھ انہوں نے قرآن کے منشاء کو پورا کرنے کے لیے کیا ہے‘ لیکن قرآن کے جس منشاء کی وہ نشان دہی فرماتے ہیں وہ خود اُن کے الفاظ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ نکاح اس شرط پر جائز ہے کہ شوہر سب بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ وزیر قانون صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ تعددِ ازواج پر پابندیاں اس لیے عائد فرما رہے ہیں کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اُٹھا کر ایک سے زائد بیویاں کرلیتے ہیں اور عدل کی شرط پوری نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدل کا سوال آیا نکاح سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا نکاح کے بعد؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سوال ایک سے زائد نکاح کرلینے کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ آیا شوہر نے عدل کیا ہے یا نہیں۔ وجہ شکایت قرآن کی رو سے جائز طور پر صرف اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ شوہر نے عدل نہ کیا ہو اور اُس وقت ایک بیوی کو جس کے ساتھ عدل نہ ہو رہا ہو یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ یا تو اس کے ساتھ عدل کیا جائے یا شوہر صرف ایک بیوی

رکھے۔ قرآن کا نام لے کر اس کے اِس منشاء کو پورا کرنے کی یہ شکل قرآن کے کس لفظ یا اشارے یا فحویٰ سے اخذ کی گئی ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر اپنی موجود بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے اور ایک پنچایت کو اپنی ضرورت کا اطمینان دلائے؟ پھر قرآن کے کس لفظ یا اشارے سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ جو نکاح موجود بیوی یا بیویوں سے اجازت لیے بغیر اور ایک پنچایت سے لائسنس حاصل کیے بغیر کیا گیا ہو وہ قانوناً تسلیم ہی نہ کیا جائے اور اس شخص کو جیل بھی بھیجا جائے۔ اور قبل اس کے کہ اس کی بیوی یا بیویوں کو عدل نہ کیے جانے کی شکایت پیدا ہو مجرد نکاح کرلینا ہی وہ جائز وجہ شکایت ہو جس کی بنا پر وہ خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے یا کرسکتی ہیں؟ براہِ کرم ہمیں یہ بتایئے کہ یہ سب کچھ قرآن کے کس مقام سے اخذ کیا گیا ہے؟ اور اگر قرآن میں یہ نہیں ہے تو کیا کہیں کوئی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیوی کے بعد جتنی شادیاں کیں اُن سے پہلے حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے انہیں اس بات پر مطمئن کیا ہو کہ مجھے مزید بیویوں کی ضرورت ہے؟ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو دوسری شادی کرنے سے پہلے اس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ وہ کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت ثابت کریں؟ یا تاریخ اسلام میں کبھی کسی بیوی کو صرف اس بنا پر خلع کے مطالبے کا حق دیا گیا ہو کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کرلی ہے؟ یا کسی شخص کو اس جرم میں پکڑا گیا ہو کہ اس نے پچھلی بیویوں سے اجازت لیے بغیر اور پنچایت سے لائسنس لیے بغیر مزید ایک نکاح کر ڈالا ہے؟

اگر پیشِ نظر قرآن کا نام لے کر مغربی تخیلات کو اسلامی قانون میں داخل کرنا ہو تب تو بات دوسری ہے ورنہ قرآن کے منشاء ہی کو پورا کرنا فی الواقع پیش نظر ہو تو یہ پوری دفعہ منسوخ کردینے کے قابل ہے‘ کیونکہ قرآن اور سنت اور فقہ اسلامی اس کے بنیادی تخیلات اور اس کے اصول و قواعد سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اس کے بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہیے اور وہ یہ کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں اُن کے درمیان عدل نہ کرے‘ اس کے خلاف اس بیوی کو عدالت میں شکایت لے جانے کا حق ہوگا جس کے ساتھ عدل نہ کیا جا رہا ہو اور عدالت شوہر کو اس کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور کرے گی۔

دفعہ نمبر ۷:

اس دفعہ میں طلاق کے جو احکام وضع کیے گئے ہیں وہ تقریباً پورے کے پورے قرآن کے احکام کے خلاف ہیں اور ان احکام کو نافذ کرنے کے نتائج مسلم معاشرے کے حق میں اس قدر فتنہ انگیز ہوں گے کہ شاید ابھی اُن کا پورا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی پہلی شق میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو کسی صورت میں طلاق دے (غالباً ''کسی صورت'' سے مراد یہ ہے کہ خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلّظ) وہ یونین کونسل کے چیئر مین کو اپنے اس فعل کی اطلاع دے گا۔ دوسری شق میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو شخص اطلاع نہ دے اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ تک کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

تیسری اور پانچویں شق میں طے کیا گیا ہے کہ:

۱) طلاق کی عدت طلاق دینے کے وقت سے نہیں شروع ہوگی' بلکہ یونین کونسل کے چیئر مین کو نوٹس ملنے کے بعد سے شروع ہوگی۔

۲) اور یہ عدت عورت کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں ۹۰ دن کی ہوگی اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک یا ۹۰ دن تک (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) ممتد ہوگی۔ یعنی اُس مدت کے اندر رجوع کا حق ہوگا۔

۳) یونین کونسل کا چیئر مین نوٹس ملنے کے بعد ۳۰ دن کے اندر ایک پنچایت مقرر کرے گا جو زوجین کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے گی اور اُس کے ناکام ہونے کی صورت میں طلاق نافذ ہوگی۔

یہ تمام شقیں قرآن کے صریح احکام سے ٹکراتی ہیں۔ وزیر قانون صاحب اپنے بیان میں فرماتے ہیں کہ ''اسلامی قانونِ طلاق کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کبھی میاں اور بیوی میں اختلافات رونما ہوں تو قریبی رشتہ دار اور دوسرے لوگ اُن کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں' تاکہ فوری تفریق نہ ہونے پائے''۔ لیکن دراصل انہوں نے قرآن کے دو احکام کو بالکل غلط طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور قرآن کے دیے ہوئے حقِ طلاق کو ایک پنچایت کے ساتھ معلق کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں طلاق کے احکام بالکل الگ بیان کیے گئے ہیں اور میاں بیوی کے اختلافات کو رفع کرنے کی صورت الگ بیان کی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں آیت ۲۲۷ سے لے کر ۲۴۲ تک' سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۹ میں اور سورۃ الطلاق کی پہلی ۷ آیتوں میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ کوئی قانونی فہم رکھنے والا شخص ان احکام کو پڑھتے ہوئے قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہاں شوہر کے حقِ طلاق کو کسی پنچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اُس کا فیصلہ حاصل کرنے سے مقید کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر جب چاہے طلاق دینے کا مختار ہے۔ ایک آیت کے اندر تو صاف الفاظ میں ''بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ'' کا فقرہ ارشاد فرمایا گیا ہے' جس کے معنی یہ

ہیں کہ عقدِ نکاح کو برقرار رکھنا یا توڑ دینا شوہر کے اختیار میں ہے اور اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے کے لیے وہ قطعاً کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا پابند نہیں ہے۔ دوسری طرف سورۃ النساء کی آیت ۳۴' ۳۵ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ اگر بیوی نشوز کا رویہ اختیار کرے تو شوہر کو اسے مطیع بنانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے اور اگر زوجین کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر کیا جائے تاکہ وہ دونوں مل کر اُن کے جھگڑے کو رفع کرانے کی کوشش کریں۔ اِس آیت میں سرے سے طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اس سعی مصالحت کے بغیر شوہر طلاق کا اختیار استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ان دو الگ قوانین کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

دراصل اِس دفعہ کا پورا تخیل مغرب کے انتہائی ناقص قوانینِ نکاح وطلاق سے اخذ کیا گیا ہے اور نام یہ لیا جا رہا ہے کہ یہ قرآنی قانونِ طلاق کے اصولوں پر مبنی ہے۔ مغرب ایک مدتِ دراز تک طلاق کو ایک برائی اور ایک ناجائز کارروائی سمجھتا رہا اور اسلام پر اعتراض کرتا رہا کہ اس میں یہ چیز جائز ہے۔ پھر اپنے اس غلط تخیل کے بدترین نتائج دیکھ لینے کے بعد جب اس نے طلاق کے جواز کی ضرورت محسوس کر لی تو اپنے سابق طرزِ فکر کو برقرار رکھتے ہوئے' اس نے طلاق کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی کہ عورت اور مرد دونوں کو علیحدگی چاہنے کی صورت میں عدالتی فیصلہ کا پابند کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانوں کے گندے کپڑے کھلم کھلا عدالتوں میں دھوئے جانے لگے۔ طلاق چاہنے والے چونکہ مجبور تھے کہ ایک عدالت کو اس بات پر مطمئن کریں کہ اُن کے لیے جدائی ناگزیر ہو چکی ہے' اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات اور زیادہ تر بداخلاقی کے اتہامات مجبوراً لگائے' کیونکہ اصل وجوہِ طلاق لازماً وہی نہیں ہو سکتے جو کسی عدالت کو مطمئن کر دیں۔ اس طرح اِن غلط قوانینِ طلاق کی بدولت مغربی معاشرہ طلاق کے انتہائی فتنہ انگیز مقدمات سے لبریز ہو گیا۔ اب ہمارے نئے قانون ساز ان اہلِ مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارے معاشرے کو اس فتنہ سے دوچار کرنے کے درپے ہیں۔

آرڈیننس کی اس دفعہ کی مذکورہ بالا شقوں میں حسبِ ذیل امور صریح طور پر قرآن کے خلاف ہیں:

۱) اس میں عورت کی عدت یونین کونسل کے چیئر مین کو نوٹس دینے کے بعد سے شروع ہوتی

ہے‘ خواہ طلاق دینے کے مہینے دو مہینے بعد ہی یہ نوٹس دیا گیا ہو‘ حالانکہ قرآن کی رو سے طلاق زبان سے نکالتے ہی عدت کی مدت شروع ہو جاتی ہے۔

۲) اس میں عدت کی مدت غیر حاملہ عورت کے لیے ۹۰ دن قرار دی گئی ہے‘ حالانکہ قرآن کی رو سے تین حیض اس کی مدت ہے۔

۳) اس میں حاملہ عورت کی عدت کی مدت وضع حمل یا ۹۰ دن (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) قرار دی گئی ہے‘ حالانکہ قرآن کی رُو سے حاملہ کی عدت وضع حمل پر ختم ہو جاتی ہے اور صرف غیر حائضہ عورت کی مدتِ عدت نوے دن نہیں‘ بلکہ تین مہینے رکھی گئی ہے۔

۴) اس میں طلاق کے نفاذ کو یونین کونسل کے چیئرمین تک اطلاع پہنچنے اور اس کی سعی مصالحت کرنے پر موقوف کر دیا گیا ہے‘ حالانکہ یہ قرآن کے بالکل خلاف ہے‘ جیسا کہ ہم اُوپر واضح کر چکے ہیں۔

۵) اس میں شوہر کے خاندان اور بیوی کے خاندان کے ایک ایک حکم کے ساتھ یونین کونسل کے چیئرمین کا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے‘ حالانکہ قرآن صرف دونوں خاندانوں کے ایک ایک حکم کے سامنے اختلافات پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یونین کونسل کا چیئرمین لازماً اپنے علاقے کے تمام خاندانوں کا کوئی معتمد علیہ سرپرست نہیں ہو سکتا‘ بلکہ آپ کے کسی قانون کی رو سے اس کا مسلمان ہونا تک ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں خاندان یا ان میں سے کوئی ایک اس بیرونی آدمی کے سامنے اپنے گھریلو جھگڑے رکھنے پسند نہ کریں۔ کسی بیرونی شخص کے سامنے میاں اور بیوی کے بعض ایسے معاملات بھی آ سکتے ہیں کہ اگر ازروئے قانون اُن کا لانا لازم کر دیا جائے تو شاید وہی خواتین جو آج اِس طرح کے قانون کا بڑے جوش و خروش سے خیر مقدم فرما رہی ہیں‘ اُس وقت چیخ اٹھیں گی جب یہ جھگڑے پنچایتوں میں آنے شروع ہوں گے‘ اور بعید نہیں کہ جب طلاق کا نفاذ ایک پنچایت کے اطمینان پر موقوف ہو جائے تو ہمارے ہاں بھی شوہر اپنی بیویوں پر جھوٹے اخلاقی الزامات لگانا شروع کر دیں گے تاکہ پنچایت کو طلاق کے ناگزیر ہونے کا قائل کر سکیں۔

۶) اِس دفعہ کی شق نمبر ۶ ایک اور فتنہ انگیز صورت پیدا کرتی ہے۔ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ ہر وہ نکاح جو کسی مؤثر طلاق کے ذریعے سے ختم ہو چکا ہو‘ اس کے فریقین دوبارہ باہم نکاح کر سکیں گے‘ بغیر اس کے کہ بیک وقت دی ہوئی طلاقیں‘ خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں‘ مغلظ نہیں ہوں گی اور عملاً ان کی تاثیر ایک ہی طلاق کی ہوگی۔ بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی

مذاہب کے نزدیک درست ہے‘ لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دی گئی ہوں تو اس سے طلاقِ مغلظ واقع ہو جاتی ہے اور مطلقہ عورت سے اس کا سابق شوہر نہ تو مدتِ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے‘ جب تک کہ اس کی تحلیل نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ اِن حنفی باشندوں کو جو اعتماد امام ابوحنیفہؒ اور مذہب حنفی کے ائمہ وفقہا کے علم وتقویٰ پر ہے وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ اس قانون سازی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے عقیدے اور قانونِ رائج الوقت کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا اور اس سے اُن کی معاشرتی زندگی میں بڑی پیچیدگیاں رونما ہوں گی۔ مثال کے طور پر ایک شوہر اگر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کر لے تو اُسی کی حنفی بیوی اور اُس کا خاندان اس رجوع کو جائز تسلیم نہیں کریں گے۔ بیوی نہ شوہر سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی‘ کیونکہ قانون اس میں مانع ہوگا اور نہ اپنے آپ کو اس شوہر کے حوالے کر سکے گی‘ کیونکہ اس کے عقیدہ کی رو سے یہ زنا کا ارتکاب ہوگا۔ کیا اس پیچیدگی کو آپ کا کوئی قانون رفع کر سکتا ہے؟ کیا آپ کے قوانین یہ طاقت رکھتے ہیں کہ لوگوں کے عقائد تبدیل کر سکیں؟

دفعہ نمبر۱۲:

اس دفعہ میں لڑکیوں کے لیے عمر نکاح کی مدت ۱۴ سال سے بڑھا کر ۱۶ سال کر دی گئی ہے‘ یعنی ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح اب ازروئے قانون نہ ہو سکے گا۔ عمرِ نکاح مقرر کرنے کا قانون پہلی مرتبہ جب انگریزی دور میں بنایا گیا تھا‘ اُس وقت بھی علماء نے اس پر احتجاج کیا تھا اور اب اس موقعہ پر ہم پھر اس پر اعتراض کرنے کے لیے مجبور ہیں‘ کیونکہ یہ قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف اور اُن کے مصالح سے متصادم ہے جنہیں اسلامی شریعت نے اہمیت دی ہے۔ قرآنِ مجید میں بالفاظِ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۴ میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض آنا بند ہو چکا ہو یا جن عورتوں کو ابھی حیض آنا نہ شروع ہوا ہو ان کے معاملے میں عدتِ طلاق تین مہینے ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ عدتِ طلاق کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جبکہ پہلے نکاح ہو چکا ہو۔ اس طرح قرآنِ مجید صریح طور پر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتا ہے جس کو حیض آنا نہ شروع ہوا ہو۔ ہمارے ملک میں بالعموم لڑکیوں کو ۱۳ برس کے لگ بھگ عمر میں

حیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رو سے اس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے‘ لیکن اس آرڈیننس کی رو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے۔

قرآن کے ساتھ اس تصادم کے علاوہ یہ سوال قابلِ غور ہے کہ اس ملک میں کیا کوئی ایسا قانون ہے جس کی رو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ زنا کی روک تھام ہو سکے؟ محض یہ بات کہ ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی نابالغہ ہو اور اس کے ساتھ مباشرت زنا بالجبر قرار پائے اس خرابی کی روک تھام کے لیے مؤثر ذریعہ نہیں ہے۔ اِس لیے کہ ایسی لڑکی اگر اپنی مرضی سے زنا کرائے تو اس جرم کا قانون کے علم میں آنا ضروری نہیں ہے‘ لیکن اس کا نکاح جب بھی کیا جائے گا وہ لازماً قانون کے علم میں آئے گا اور اس کے مرتکبین سزا پائیں گے۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک لڑکی کے زانیہ ہو جانے کا تو سدِباب نہ ہو مگر اُس کے نکاح کا سدِباب کر دیا جائے‘ اور اگر ایک باپ اپنی ۱۴‘ ۱۵ برس کی عمر کی لڑکی بگڑتے دیکھ کر اُس کا نکاح کر دینا چاہے تو نہ کر سکے اور اس کے بگڑنے کے خطرے کو مجبوراً برداشت کرتا رہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صغر سنی کی شادی بالعموم ہمت افزائی کی مستحق نہیں ہے اور جن علاقوں میں اس کا رواج قباحتیں پیدا کر رہا ہے وہاں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے‘ لیکن معاشرے کی ہر خرابی کا علاج لازماً جبر ہی نہیں ہے۔ عوام میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے اس رجحان کو روکا جا سکتا ہے‘ بغیر اس کے کہ قانوناً نکاح کی عمر مقرر کر کے اس سے کم عمر کے نکاح کو سرے ہی سے حرام کر دیا جائے۔

یہ ایک حق نصیحت ہے جو ہم اس ملک کی بھلائی کے لیے آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے ادا کر رہے ہیں۔ اس کو ادا کر دینے کے بعد ہمارا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جن غلطیوں کی نشاندہی دلائل کے ساتھ کر دی گئی ہے اُن کی اصلاح کرے۔

مولانا مفتی محمد حسن‘ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری‘ ناظم مرکزی حزب الاحناف پاکستان لاہور

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی‘ لاہور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی‘ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد‘ سابق ممبر بورڈ آف تعلیمات‘ دستور ساز اسمبلی پاکستان

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف‘ صدر جماعت اہل حدیث لاہور

مولانا سید محمود احمد رضوی‘ نائب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور

مولانا ابن الحسنات سید خلیل احمد قادری‘ خطیب مسجد وزیر خان لاہور

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی‘ خطیب جامع قدس اہل حدیث لاہور

مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی‘ لاہور

مولانا عبدالستار خان نیازی‘ لاہور

’’مجھے اصل دفعات سے وہی اختلاف ہے جو اس مضمون میں ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اِن دفعات کی وضاحت میں جو امور تحریر فرمائے گئے ہیں ان کے بعض اجزا سے اتفاق نہیں ہے۔‘‘

مولانا حافظ کفایت حسین۔ مجتہد ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور

’’مضمون بالا کی بعض جزئیات اگرچہ تفصیل طلب یا غور طلب ہیں‘ مگر اصل مقصد کے لحاظ سے میں اِس پورے مضمون سے متفق ہوں۔‘‘

مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔ متولی جامع قدس اہل حدیث لاہور

مسلم فیملی لاز آرڈی ننس پر علماء کرام کا یہ تاریخی تبصرہ

اوّلاً ۱۹ مارچ ۱۹۶۱ء کو ہفت روزہ ’’شہاب‘‘ لاہور میں شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں پاک میڈیسنز پاک گیٹ ملتان کے پروپرائٹر جناب غلام مصطفیٰ نے اسے کتابچے کی شکل میں ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع کیا۔ پھر ایک موقع پر تنظیم اسلامی نے اس کتابچے کا ہو بہو عکس لے کر اسے شائع کیا اور بڑے پیمانے پر پھیلانے کا اہتمام کیا۔ بعد ازاں اسے بہتر کتابت وطباعت کے ساتھ میثاق (شمارہ جون ۱۹۹۱ء) میں شائع کیا گیا۔ میثاق کے زیر نظر شمارے میں اسے ’’پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ‘‘ کے تناظر میں پیش کیا جا رہا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں آں قصۂ پارینہ را!

نام نہاد ''مسلم فیملی لاز'' کا المیہ!

اور مسلمانانِ پاکستان کے لیے لمحۂ فکریہ

- انگریز نے ہندوستان پر اپنی دو سو سالہ حکومت کے دوران مسلمانوں کے عائلی قوانین میں دخل دینے کی جرأت نہیں کی۔
- بھارت میں ایک عدالتی فیصلے میں ذرا سے تجاوز پر مسلمانانِ بھارت نے ایسا شدید ایجی ٹیشن کیا کہ حکومتِ وقت کو یہ قانون بنانا پڑا کہ بھارت کی کوئی عدالت مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت نہیں کر سکتی۔
- لیکن پاکستان میں ایک فوجی آمر نے ۱۹۶۱ء میں منکرینِ حدیث کے زیر اثر ایک آرڈیننس کے ذریعے وہ نام نہاد ''مسلم فیملی لاز'' نافذ کیے جن کی متعدد دفعات کو تمام مکاتبِ فکر اور جملہ مدارسِ فقہ کے علماء و زعماء نے خلافِ شریعت قرار دیا۔

(نوٹ: ان حضرات کا مفصل بیان ماہنامہ ''میثاق'' کی جون ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں شائع کیا جا رہا ہے۔)

لیکن غلطی یہ ہوئی کہ اس مسئلے پر کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی گئی بلکہ ان تمام حکمرانوں سے تعاون جاری رکھا گیا جنہوں نے ان قوانین کو برقرار رکھا۔

نتیجتاً یہ قوانین آج تک نافذ ہیں اور انہیں تحفظ دینے کا مسلسل اعلان کیا جا رہا ہے!

- دستورِ پاکستان میں غیر مسلموں کو بھی یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اُن کے پرسنل لاء میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ تو کیا یہ ستم ظریفی کی انتہا نہیں ہے کہ ایک مسلمان مملکت میں خود مسلمانوں پر اُن کے مسلمہ فقہی احکام کے منافی قوانین جبراً مسلط کیے جا رہے ہیں۔
- ان قوانین سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ایک مثال سے سمجھی جا سکتی ہیں کہ اگر کسی مسلمان عورت کو اس کا شوہر بیک وقت تین طلاقیں دے دے تو اہل سنت والجماعت کی چاروں فقہیں اس شوہر کو رجوع کا حق نہیں دیتیں اور عورت کو اختیار دیتی ہیں کہ عدت کے خاتمے پر دوسری شادی کر لے جبکہ ان قوانین کی رو سے اس خاتون پر زنا کا مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے! فاعتبروا!
- جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دس سال کی تاخیر کے بعد نفاذِ شریعت آرڈیننس کے ذریعے ان عائلی قوانین کو فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار میں داخل کر دیا تھا مگر اُن کی حادثاتی موت کے بعد وہ آرڈیننس بھی اپنی موت آپ مر گیا اور فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ بندھے کے بندھے رہ گئے۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ دستور کی موعودہ ترمیم کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دیا جائے

تنظیم اسلامی پاکستان امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد

(تنظیم اسلامی کی جانب سے اس مضمون کا اشتہار ۳۰/ مئی ۱۹۹۱ء کے اخبارات میں شائع کرایا گیا)

قادیانیت کے خلاف اُٹھنے والی

تحریکِ ختمِ نبوّت کا تاریخی جائزہ

حافظ محمد زاہد☆

عقیدۂ ختمِ نبوت یعنی نبی اکرم ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرنا اور آپؐ پر نبوت کے باب کو بند سمجھنا' اسلام کی اساس اور وہ بنیاد ہے جس پر دین اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ اس عقیدہ کی اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے اور اس عقیدہ کا انکار قرآن وسنت' عملِ صحابہ اور اکابرینِ اُمت کی نظر میں صریحاً کفر ہے۔ قرآن کریم کی تقریباً سو آیات اور نبی اکرم ﷺ کی تقریباً ۲۱۰ احادیث مبارکہ میں اس اہم عقیدہ کو بلاواسطہ اور بالواسطہ بیان کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دور میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور پھر اُس کے قتل پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔ اس کے علاوہ اُمتِ مسلمہ کا سب سے پہلا اجماع بھی اسی مسئلہ پر منعقد ہوا' بایں طور کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب کے قتل پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا اور پھر اس کے بعد سے آج تک تمام زمانوں میں نبوت کے دعوے داروں کے کفر وارتداد پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع بلافصل ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کی اسی اہمیت کی بدولت پوری اُمتِ مسلمہ ختمِ نبوت کے مسئلہ پر یکسو اور متحد ہے' اور جب بھی کسی کمینہ خصلت نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مسلمانوں نے کبھی اپنی تلواروں سے اُس کا قلع قمع کر کے اُسے جہنم واصل کیا تو کبھی قلمی جہاد کے ذریعے اُس فتنہ کو راندۂ درگاہ کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۱ء میں برصغیر پاک و ہند میں جب مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے اپنے خود ساختہ نبی ہونے کا اعلان کیا تو علماء ومشائخ نے اس فتنے کے سدباب کے لیے ہر میدان میں قادیانیت کا محاسبہ کیا اور بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی پارلیمنٹ نے اس فتنے کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی اور متفقہ طور پر قادیانیت کے دونوں گروہ (مرزائی اور لاہوری گروپ) کو کافر قرار دے دیا گیا۔

☆ ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی' لاہور

فتنہ قادیانیت کا پس منظر

برصغیر پاک و ہند میں جب انگریز اپنے ظلم وستم اور زیادتیوں کے باوجود مسلمانوں کو مغلوب نہ کر سکا تو اُس نے ایک کمیشن کے ذریعے اُس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے پورے ہندوستان کا سروے کرایا۔ کمیشن نے یہ رپورٹ پیش کی کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لیے اُن کے دلوں سے جذبہ جہاد مٹانا بے حد ضروری ہے اور اس کا طریقہ کار یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں کسی ایسے شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا جائے جو جہاد کو حرام اور انگریز کی اطاعت کو لازم سمجھتا ہو۔ اس مقصد کے لیے انگریز نے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا جو اُس وقت کسی سرکاری ادارے میں کلرک کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ قادیانی خاندان شروع دن سے مسلمانوں کے خلاف رہا ہے۔ انہوں نے سکھوں کے دورِ اقتدار میں سکھوں کے ساتھ مل کر پنجاب کے مختلف علاقوں میں مسلمان حریت پسندوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور پھر انگریزوں کے دور میں بھی مسلمان مجاہدین کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ مرزا قادیانی نے جہاد کی حرمت اور انگریزوں کی اطاعت کو لازم قرار دیا اور پھر اس نے بتدریج خادمِ اسلام' مبلغ اسلام' مجدد' امام مہدی' مثیلِ عیسیٰ' ظِلّی نبی (یعنی نبی کا سایہ)' بروزی نبی' مستقل نبی' حتیٰ کہ خدائی تک کا دعویٰ کیا۔ یہ سب کچھ ایک طے شدہ منصوبے اور خطرناک سازش کے تحت کیا گیا۔

تحریکِ ختمِ نبوت اور اس کے مراحل

جب اس فتنہ نے برصغیر پاک وہند میں سر اُٹھایا تو یہاں کے علماء ومشائخ نے اپنی تحریرات' تقاریر' خطاباتِ جمعہ' علمی مباحثوں اور مناظروں کے ذریعے قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو چاروں شانے چت کر دیا۔ ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا لطیف اللہ علی گڑھی' مولانا احمد حسن دہلوی' شیخ الہند مولانا محمود حسن' علامہ انور شاہ کاشمیری' مولانا خلیل احمد سہارنپوری' مولانا عبداللہ لدھیانوی' مولانا محمد اسماعیل' مولانا محمد علی مونگیری' مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری' مولانا رشید احمد گنگوہی اور پیر سید مہر علی شاہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) شامل ہیں۔ سب سے پہلے علمائے لدھیانہ نے قادیانیت کی ابتدائی تحریروں کو دیکھ کر اس کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا اور بعد میں پوری اُمت مسلمہ نے متفقہ طور پر اس فتویٰ کی تصدیق وتوثیق کی' لیکن سرکاری اور عدالتی سطح پر اس حقیقت کو منوانے میں بہت وقت لگا

اوراس کے لیے بہت جدوجہد کی گئی۔ ذیل میں فتنہ قادیانیت کے خلاف اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اُٹھنے والی اس صدی کی عظیم جدوجہد کا مرحلہ وار ایک مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

مقدمہ بہاولپور: فتنہ قادیانیت کے تابوت کا پہلا کیل

ردِّ قادنیت کے حوالے سے مقدمہ بہاولپور بہت اہمیت کا حامل ہے اور اسے قادیانیت کے تابوت کا پہلا کیل کہنا بے جا نہ ہوگا۔ ختم نبوت کے محاذ پر مضبوط بنیاد اور قانونی واخلاقی بالادستی اسی مقدمہ نے مہیا کی۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے اس مقدمہ کی تمام تر تفصیلات تین ضخیم جلدوں میں مرتب کی ہیں‘ جس کے بارے میں جلیل القدر علماء کا کہنا ہے کہ اس کتاب کے بعد اب قادیانیت کے خلاف کسی اور تصنیف کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقدمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تحصیل احمد پور شرقیہ‘ ریاست بہاولپور میں عبدالرزاق نامی شخص مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا اور اس کی منکوحہ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش نے سن بلوغت کو پہنچ کر اپنے باپ کے توسط سے ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو احمد پور شرقیہ کی مقامی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کر دیا۔ یہ مقدمہ بالآخر ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کو بغرضِ شرعی تحقیق منتقل ہوا کہ آیا قادیانی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں کہ نہیں؟ اس طرح یہ مقدمہ دو لوگوں کے بجائے اسلام اور قادیانیت کے مابین حق و باطل کا مقدمہ بن گیا۔ قادیانیت کے خلاف اُمت مسلمہ کی نمائندگی کے لیے سب کی نظر دارالعلوم دیوبند کے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ پر پڑی اور وہ مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کی دعوت پر اپنے تمام پروگرام منسوخ کر کے بہاولپور تشریف لائے اور فرمایا:

> ’’جب یہاں سے بلاوا آیا تو میں ڈھابیل جانے کے لیے پابہ رکاب تھا‘ مگر میں یہ سوچ کر یہاں چلا آیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی‘ شاید یہی بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ آنحضرت ﷺ کا جانب دار بن کر یہاں آیا تھا — اگر ہم ختم نبوت کا کام نہ کریں تو گلی کا کُتا بھی ہم سے اچھا ہے۔‘‘

پھر اس مقدمہ میں مسلمانوں کی طرف سے مولانا غلام محمد گھوٹوی‘ مولانا محمد حسین کولوتارڑوی‘ مولانا محمد شفیع‘ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری‘ مولانا نجم الدین‘ مولانا ابوالوفاء شاہ جہانپوری اور مولانا انور شاہ کاشمیری (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے دلائل اور بیانات پر مرزائیت بوکھلا اُٹھی۔ مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری نے عدالت میں جواب الجواب داخل کرایا جو چھ سو صفحات پر مشتمل تھا جس نے قادیانیت کے پرخچے اُڑا دیے۔

عدالت میں موجود علماء کا کہنا ہے کہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ جب مرزائیت کے خلاف قرآن وحدیث کے دلائل دیتے تو عدالت کے درودیوار جھوم اُٹھتے اور جب جلال میں آکر مرزائیت کو للکارتے تو کفر کے نمائندوں پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ ایک دن مولانا نے جلال الدین شمس مرزائی کو للکار کر کہا: ’’اگر چاہو تو میں عدالت میں یہیں کھڑے ہو کر دکھا سکتا ہوں کہ مرزا قادیانی جہنم میں جل رہا ہے‘‘۔ یہ سن کر عدالت میں موجود تمام مرزائی کانپ اُٹھے اور مسلمانوں کے چہرے خوشی سے کھل اُٹھے۔ خواجہ خان محمد اس بارے میں لکھتے ہیں: ’’اہل دل نے گواہی دی کہ عدالت میں انور شاہ کاشمیری نہیں‘ بلکہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کا وکیل اور نمائندہ بول رہا ہے۔‘‘

جب مرزائیوں کو اس مقدمہ میں اپنی شکست سامنے نظر آنا شروع ہوئی تو انہوں نے دسمبر ۱۹۳۴ء میں عبدالرزاق کے مرجانے کی وجہ سے یہ درخواست دائر کر دی کہ اب اس مقدمے کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے‘ لہٰذا اس مقدمہ کو خارج کر دیا جائے — بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ شکست سے بچنے کے لیے مرزائیوں نے از خود عبدالرزاق کو قتل کرا دیا تا کہ مقدمہ خارج ہو جائے‘ مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ جاری رہا اور حق و باطل کے اس مقدمہ کا فیصلہ جناب محمد اکبر خان (اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے) نے ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو سنایا‘ جس کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار اپنے عقائد و اعمال کی بنا پر مسلمان نہیں‘ بلکہ کافر اور خارج از اسلام ہیں اور اس ضمن میں عبدالرزاق مرزائی کا غلام عائشہ کے ساتھ نکاح فسخ قرار دے دیا گیا۔ مرزائیوں نے اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر الدین کی سربراہی میں سر ظفر اللہ مرتد سمیت جمع ہو کر اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کی سوچ بچار کی‘ لیکن آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ فیصلہ اتنی مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر صادر ہوا ہے کہ اپیل بھی ہمارے خلاف جائے گی — اس تاریخ ساز فیصلہ نے پوری دنیا کے مسلمانوں پر مرزائیت کے عقائد کو آشکار کر دیا اور اس طرح مرزائیوں کی ساکھ روز بروز کمزور ہونے لگی۔

اس مقدمہ کے حوالے سے جہاں علماء کرام و مشائخ عظام اور جج صاحب کی کاوشیں سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں‘ وہیں غلام عائشہ اور ان کے والد گرامی مولوی الٰہی بخش کا بھی پوری اُمت مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ایک مرزائی کے خلاف فسخِ نکاح کے دعویٰ کیا جو ردِّ قادیانیت کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوا۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت

آل انڈیا مسلم لیگ نے جب قائداعظم کی قیادت میں ایک الگ ریاست کے لیے جدوجہد شروع کی تو مرزائیوں نے کانگریس کے ہمنوا بن کر اس کی بھرپور مخالفت کی۔ دوسری طرف کانگریس نے بھی احمدیت کا بھرپور ساتھ دیا اور جب قادیانیوں نے مکہ و مدینہ کے بجائے مسلمانوں کا رخ قادیان کی طرف موڑنا چاہا تب ہندو لیڈروں نے انہیں جی بھر کر داد دی۔ قادیانیوں کے لیے اکھنڈ بھارت اس لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی اسلامی ریاست کے مقابلے میں ایک سیکولر ریاست میں رہنے کو زیادہ مفید سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے تقسیم ہند کی مخالفت کی‘ لیکن جب تقسیم کا اعلان ہوگیا تو انہوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوئی کسر نہ چھوڑی اور قادیان کو پاکستان یا بھارت کا علاقہ قرار دینے کے بجائے اسے ویٹیکن سٹی قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مطالبہ تو نہ مانا گیا مگر ضلع گورداسپور کو مسلم اقلیت کا صوبہ قرار دے کر اس اہم ترین علاقہ کو بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ بھارت کو کشمیر کے لیے زمینی راستہ مل گیا اور کشمیر پاکستان سے کٹ گیا۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوگیا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ بدنصیبی سے پاکستان کا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی کو بنا دیا گیا جس نے قادیانیت کو اندرون و بیرونِ ملک متعارف کرانے کے لیے سرکاری ذرائع کا بے دریغ استعمال کیا۔ دوسری طرف خواجہ ناظم الدین کے دورِ اقتدار میں دستورِ پاکستان کی تدوین زیر بحث تھی اور اس ضمن میں مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ مرزائیوں کو مسلمانوں میں شامل نہ کیا جائے بلکہ ان کو غیر مسلم اقلیتوں میں شمار کیا جائے۔ لیکن جب دستور کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی تو اس میں ملک کے لیے جداگانہ طریقہ انتخاب تجویز کیا گیا تھا اور اقلیتوں کی نشستیں الگ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا‘ مگر مسلمانوں کے لیے حد درجہ دکھ کی بات یہ تھی کہ قادیانیوں کو اقلیت نہیں‘ بلکہ مسلمانوں میں شمار کیا گیا تھا۔ مندرجہ بالا کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے ۱۹۵۲ء میں قادیانیوں کے نام نہاد خلیفہ مرزا محمود نے اعلان کیا کہ یہ ہمارا سال ہے اور ہم اس سال بلوچستان کو بالخصوص اور پنجاب کو بالعموم احمدی صوبہ بنالیں گے۔ یہ اعلان مسلمانوں پر بجلی بن کر گرا۔ اس موقع پر اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ میدان میں آئے‘ انہوں نے علماء کو متحد کیا اور ”مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت“ کے باضابطہ قیام کا اعلان فرمایا۔

دسمبر ۱۹۵۲ء کے آخری دنوں میں چنیوٹ میں ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے پُرجوش تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ”اے مرزا محمود! ۱۹۵۲ء تیرا تھا اور اب ۱۹۵۳ء میرا ہوگا“۔ اسی کانفرنس کے موقع پر مجلس تحفظِ ختم نبوت کے رہنماؤں کا ایک خصوصی غیر رسمی اجلاس منعقد ہوا جس میں طے پایا کہ مرزائیوں کی جارحیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اس لیے اس کا سدباب کرنا بے حد ضروری ہوگیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت سے مذاکرات کا فیصلہ کیا گیا۔ جنوری ۱۹۵۳ء کے آخر میں علماء کا ایک وفد خواجہ ناظم الدین سے ملا اور چار مطالبات پیش کیے: (۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے‘ (۲) سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے‘ (۳) ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے‘ اور (۴) مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔ خواجہ صاحب نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ظفر اللہ خان کو ہٹانے اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے امریکہ پاکستان سے ناراض ہو جائے گا اور ہر قسم کی امداد بند کر دی جائے گی۔ وفد کی طرف سے حکومت کو اتمامِ حجت کے لیے ایک ماہ کا تحریری نوٹس دیا گیا جس میں لکھا گیا کہ ہمارے مطالبات کو تسلیم کیا جائے ورنہ ہم قادیانیوں کے خلاف براہِ راست تحریک چلائیں گے۔

ایک ماہ گزر گیا اور حکومت کی طرف سے کوئی پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی تو مجلسِ تحفظِ ختم نبوت نے باضابطہ تحریک کا آغاز کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ختم نبوت کی یہ تحریک ایک بہت بڑی تحریک میں تبدیل ہوگئی۔ پاکستانی حکمرانوں نے اس تحریک کو اپنے اقتدار کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھ لیا۔ چنانچہ خواجہ ناظم الدین اور پنجاب کے وزیراعلیٰ ممتاز احمد دولتانہ نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا۔ پاکستانی حکمرانوں اور جنرل اعظم خان کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم نے ہلاکو خان اور چنگیز خان کے مظالم کی یاد تازہ کر دی۔ اسی دوران جنرل اعظم نے پاکستان میں پہلی مرتبہ لاہور میں جزوی مارشل لاء لگایا۔

ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اُٹھنے والی اس تحریک میں دس ہزار سے زائد مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا‘ ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور تقریباً دس لاکھ سے زائد مسلمان اس سے متاثر ہوئے۔ مرزائیوں اور ان کے ہم نواؤں نے اس تحریک کو دبانے کے لیے تشدد کا راستہ اپنایا اور انہیں یورپین ممالک کی مدد بھی حاصل تھی‘ مگر مسلمانوں نے اس معرکہ کو اس طرح سر کیا کہ مرزائیت کا کفر کھل کر سامنے آگیا۔ اس

شکست پر قادیانیوں نے عوامی محاذ ترک کر کے حکومتی عہدوں اور سرکاری دفاتر میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کر دیا اور وہ انقلاب کے ذریعے اقتدار کا خواب دیکھنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کے عذاب کا کوڑا ختمِ نبوت کی اس مقدس تحریک کی مخالفت کرنے والوں‘ اس کو کچلنے والوں‘ ظلم کرنے والوں اور بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانے والوں پر اس بے دردی سے برسا کہ سب عبرت کا نشان بن گئے۔ اس حوالے سے ’’کاروانِ تحریکِ ختمِ نبوت کے چند نقوش‘‘ نامی کتاب میں تفصیل موجود ہے۔

۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت (جب قادیانی غیر مسلم قرار پائے)

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مرزائیوں نے چند سیٹیں حاصل کر لیں اور وہ انقلاب کے ذریعے پورے پاکستان پر قبضہ کا خواب دیکھنے لگے۔ دوسری طرف 1953ء کی تحریک اگرچہ بظاہر ختم ہو گئی تھی مگر قادیانیت کے خلاف علماء ومشائخ اپنی اپنی سطح پر کاوشیں جاری رکھے ہوئے تھے۔ انہی کاوشوں کے نتیجہ میں آخر کار ۱۹۷۳ء میں آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر بارش کے پہلے قطرے کا کام کیا۔ ملک بھر میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔

پھر ایک واقعہ ہوا جس نے ایک نئی تحریک کو جنم دیا۔ مئی ۱۹۷۴ء میں نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبہ کا ایک گروپ سیر وتفریح کی غرض سے چناب ایکسپریس سے پشاور جا رہا تھا۔ جب ٹرین ربوہ پہنچی تو قادیانیوں نے اپنے معمول کے مطابق مرزا قادیانی کی خرافات پر مبنی لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ نوجوان طلبہ اس سے مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ختم نبوت زندہ باد اور قادیانیت مردہ باد کے نعرے لگائے۔ طلبہ جب پشاور سے واپسی پر ۲۹ مئی کو ربوہ پہنچے تو قادیانی دیسی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر طلبہ پر ٹوٹ پڑے اور طلبہ کو نہایت بے دردی سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا‘ انہیں لہولہان کر دیا اور ان کا سامان لوٹ لیا۔ آناً فاناً یہ خبر فیصل آباد پہنچ گئی۔ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے مقامی رہنما مولانا تاج محمود ایک بہت بڑا جلوس لے کر فیصل آباد سٹیشن پر پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے اس کھلی غنڈہ گردی پر زبردست احتجاج کیا اور زخمی طلبہ کی مرہم پٹی کرائی گئی۔ اگلے روز یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی اور ہر جگہ مظاہروں کا ایک طوفان اُمڈ پڑا۔ پنجاب اسمبلی میں قائدِ حزبِ اختلاف علامہ رحمت اللہ ارشد نے اس واقعہ پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتے ہوئے کہا: ’’ختم نبوت کی دینی حیثیت کے متعلق تمام مسالک کے علماء متفق ہیں کہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔‘‘

مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے اُس وقت کے امیر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی دعوت پر تمام طبقات نے لبیک کہا اور کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تشکیل پائی جس کے امیر بھی مولانا یوسف بنوری کو بنایا گیا۔ ۹ جون ۱۹۷۴ء کو لاہور میں اس مجلس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں قادیانیت کے خلاف ایک بھرپور تحریک چلانے کا اعلان کیا گیا۔ اس تحریک کا بس ایک ہی نعرہ تھا کہ مرزائیت کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ اس حوالے سے مجلس عمل کے قائدین نے پورے ملک کے طوفانی دورے کیے اور قادیانیت کے خلاف محاذ پر تمام مکاتب فکر کو متحد کیا۔ اخبارات‘ دینی جرائد اور طلبہ تنظیموں نے اس تحریک میں ایک جوش کی روح پھونک دی۔ قادیانی اس تحریک سے بلبلا اٹھے اور مسلمانوں کو تشدد کے ذریعے ہراساں کرنے کے لیے کئی جگہ دستی بموں سے حملے کیے۔ حکومت نے ابتدائی طور پر تحریک کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی اور تحریک ختم نبوت کے قائدین کی اکثریت تحفظ ناموس رسالت کے مطالبے کی پاداش میں جیل کی نذر ہو گئی‘ مگر ان تمام معاملات نے تحریک کو ایک نئی جلا بخشی اور تحریک پھیلتی چلی گئی۔ بالآخر حکومت نے قوم کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے سانحہ ربوہ اور قادیانی مسئلے پر سفارشات مرتب کرنے کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی قرار دیا۔

جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانیؒ نے اپوزیشن کی طرف سے ایک بل پیش کیا (جس پر ۳۷ معزز ومحترم اراکین اسمبلی کے دستخط موجود تھے) اور حکومت کی طرف سے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے قومی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی۔ اس طرح قومی اسمبلی میں مرزائیت پر بحث شروع ہو گئی۔ قادیانیوں کے مرزائی اور لاہوری گروپ نے اپنے اپنے موقف تحریری شکل میں پیش کیے۔

قادیانی گروپ کے جواب میں ’’ملت اسلامیہ کا موقف‘‘ دو سو صفحات پر مشتمل ایک مکمل کتاب کی شکل میں تیار کیا گیا (یہ کتاب اب شائع بھی ہو چکی ہے)۔ مولانا محمد یوسف بنوری کی قیادت میں مولانا محمد شریف جالندھری‘ مولانا محمد حیات‘ مولانا تاج محمود‘ مولانا عبدالرحیم اشعر نے حوالہ جات کی تدوین کا کام کیا‘ جبکہ مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا سمیع الحق نے ان حوالہ جات کو ترتیب دے کر ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں مرتب کیا۔ ملت اسلامیہ کے اس موقف کو اسمبلی میں پڑھنے کی سعادت مولانا مفتی محمود کو حاصل ہوئی۔ قادیانی گروپ کی طرف سے مرزا ناصر اور لاہوری گروپ کی طرف سے صدر الدین‘ عبدالمنان عمر اور سعود بیگ اسمبلی

میں پیش ہوئے۔ لاہوری گروپ کے جواب میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے مستقل طور پر ایک محضر نامہ تیار کیا۔ یہ بحث دو ماہ کے طویل عرصہ تک جاری رہی۔ ان دو ماہ میں قومی اسمبلی کے ۱۲۸ اجلاس اور ۶۸ نشستیں منعقد ہوئیں۔ گیارہ روز تک لاہوری گروپ کے مرزا ناصر اور نو روز تک قادیانی گروپ کے نمائندوں پر جرح ہوتی رہی۔ اس جرح پر اُن کا سانس پھول جاتا‘ انہیں پسینے آجاتے اور وہ بار بار پانی مانگتے۔

۵‘۶ ستمبر کو اٹارنی جنرل آف پاکستان یحییٰ بختیار نے بحث کو سمیٹتے ہوئے دو روز تک اراکین قومی اسمبلی کے سامنے اپنا مفصل بیان پیش کیا۔ ۷ستمبر کو فیصلے کے دن حالات بہت خراب ہوگئے۔ بھٹو صاحب بیرونی دباؤ کی وجہ سے اس آئینی ترمیم پر دستخط سے انکاری تھے‘ اس لیے بڑے بڑے شہروں میں فوج تعینات کر دی گئی اور تحریک ختم نبوت کے قائدین اور کارکنوں کی لسٹ بنالی گئی جنہیں رات کو گرفتار کرنا تھا۔ مگر خالق کائنات مسلمانوں کے حق میں فیصلہ لکھ چکا تھا۔ ایک حدیث کے مطابق تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ ان کو جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھٹو صاحب کے دل کو پھیر دیا اور مفتی محمود صاحب کے ان کو منانے کے بعد بالآخر وہ مبارک گھڑی آئی جب ۷ستمبر۱۹۷۴ء کو ۴ بج کر ۳۵ منٹ پر قادیانیوں کے دونوں گروپوں (مرزائی اور لاہوری گروپ) کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے قائد ایوان کی حیثیت سے خصوصی خطاب کیا اور عبدالحفیظ پیرزادہ نے آئینی ترمیم کا تاریخی بل پیش کیا۔ یہ بل متفقہ رائے سے منظور کیا گیا تو حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار کے ارکان فرطِ مسرت سے آپس میں بغل گیر ہوگئے۔ پورے ملک میں اسلامیانِ پاکستان نے گھی کے چراغ جلائے۔ اس تاریخ ساز فیصلے کے بعد اکثر اسلامی ممالک نے یکے بعد دیگرے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ یہ یقیناً بہت بڑی کامیابی تھی۔

۷ستمبر کو سرکاری اور انفرادی سطح پر یومِ ختمِ نبوت منایا جائے!

سات ستمبر کا دن پاکستان کے مسلمانوں کے لیے خصوصی طور پر اور دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے عمومی طور پر ایک یادگار اور تاریخی دن ہے۔ یہ دن ہمیں اس تاریخ ساز فیصلے کی یاد دلاتا ہے جو پاکستان کی قومی اسمبلی نے عقیدۂ ختم نبوت کی حقانیت کا برملا اور متفقہ اعلان کرتے ہوئے جاری کیا تھا۔ اس عظیم اور تاریخ ساز فیصلے کی رو سے مرزا قادیانی

اور اس کے ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا تھا۔ قومی اسمبلی نے جمہوری طریقے کے مطابق متفقہ طور پر یہ بل پاس کیا۔ اس دن کو یاد رکھنا اور اس کے بارے میں نئی نسل کو آگاہ کرنا ہمارا فرض ہے اور یہ یقیناً ختم نبوت کے تحفظ کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اس حوالے سے میری پوری اُمت مسلمہ اور بالخصوص پاکستانی حکومت سے درخواست ہے کہ وہ ۶ستمبر کو ’’یومِ دفاعِ پاکستان‘‘ منانے کی طرح ۷ستمبر کو ’’یومِ ختمِ نبوت‘‘ عظیم الشان طریقے سے منانے کا اہتمام کرے۔

۱۹۸۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت

جنوری ۱۹۷۵ء میں ربوہ کو کھلا شہر قرار دے دیا گیا اور اس کا نام چناب نگر رکھا گیا۔ چناب نگر میں وسیع رقبہ پر رہائشی سکیم تیار کی گئی جس کا نام مسلم کالونی رکھا گیا اور وہاں مسلمانوں کو آباد کیا گیا۔ اس مسلم کالونی میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ایک عالی شان ختم نبوت مسجد تیار کی جہاں ۱۹۸۲ء سے ہر سال سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔

۱۷فروری ۱۹۸۳ء کو مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے ایک مبلغ محمد اسلم قریشی کو مبینہ طور پر مرزا طاہر کے حکم پر مرزائیوں نے اغوا کیا تو یہ واقعہ ایک بھرپور تحریک کا سبب بنا۔ اس تحریک کے سبب جنرل ضیاء الحق نے ۲۶اپریل ۱۹۸۴ء کو ’’امتناعِ قادیانیت آرڈیننس‘‘ جاری کر دیا جس کے مطابق قادیانیت کی تبلیغ وتشہیر‘ قادیانی کا خود کو مسلمان ظاہر کرنا‘ اذان دینا‘ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنا اور شعائرِ اسلام استعمال کرنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔ اس آرڈیننس کے بعد قادیانیوں کا اُس وقت کا سربراہ مرزا طاہر احمد یکم مئی ۱۹۸۴ء کو بھیس بدل کر بھاگ کر لندن جا پہنچا اور انگریز کے پاس پناہ حاصل کی اور اپنا ہیڈ کوارٹر چناب نگر سے لندن منتقل کر لیا۔ مگر ختم نبوت پر مر مٹنے والے علماء ومشائخ نے وہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور پوری دنیا کے دورے کیے اور دنیا بھر کے لوگوں اور خاص طور پر مسلمانوں کو قادیانیت کے کفر سے آگاہ کیا۔

ایک گزارش

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم اور ۱۹۸۴ء کے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس پر نیک نیتی کے ساتھ مؤثر طور پر عمل درآمد کرائے اور مرزائیوں کو اپنی حیثیت کے اندر رہنے کا پابند بنائے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں مرتد کی شرعی سزا نافذ کرے۔ اس کے علاوہ قادیانیت کی تبلیغ وتشہیر کی پابندی پر بھی سختی سے عمل درآمد کرایا جائے تاکہ روئے زمین سے قادیانیت کا نام ونشان تک مٹ جائے—— مولانا

انور شاہ کاشمیریؒ کا ایک کشف ہے کہ: ''ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا میں مرزائیت نام کی کوئی چیز تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گی''۔ وہ وقت اب قریب آن پہنچا ہے کہ قادیانیت کا فتنہ دنیا سے نیست و نابود ہونے والا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ختم نبوت کے تحفظ کے حوالے سے ایک صدی پر محیط اس تحریک کے شہداء کے درجات کو بلند فرمائے اور اس تحریک میں کسی بھی طرح حصہ لینے والے افراد کی کاوشوں کو قبول فرما کر اُن کے درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

تحریکِ ختمِ نبوت کے حوالے سے قلمی جہاد کی ایک جھلک

محترم اللہ وسایا نے ''قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت'' کے عنوان سے قادیانیت کے خلاف ۱۹۹۰ء تک لکھی جانے والی ایک ہزار کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کو ۲۳ سال کا عرصہ دراز گزر چکا ہے اور اب کتابوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہوگا۔ یہ صرف کتابوں کا تذکرہ ہے' ورنہ اس فتنہ کے بارے میں لکھی گئی تحریرات کا شمار کیا جانا مشکل سے بڑھ کر ناممکن کی حد تک پہنچ چکا ہے۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے　　اشاعتِ عام: 35 روپے

مسلمان کا نظامِ اوقات
اور حیاتیاتی گھڑی

محبوب الحق عاجز

آج کا مسلمان شدید مشکلات اور ذہنی الجھنوں کا شکار ہے۔ وہ جن آفتوں میں گھرا ہے اُس کی بنیادی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری ہے‘ البتہ اِس کے تفصیلی اسباب کئی ایک ہیں۔ اُن اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے اپنی زندگی کا نظام بدل ڈالا ہے‘ سونے جاگنے کی ترتیب بدل دی ہے۔ ہم جس عظیم المرتبت نبی ﷺ اور آپؐ کے جن تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے روشنی لینے کے مدعی ہیں‘ وہ طلوعِ فجر سے بہت پہلے بیدار ہوتے اور اللہ سے لو لگاتے تھے اور رات کو جلدی سو جاتے تھے۔ آج کا مسلمان رات میں جلدی سونے کی بجائے دیر تک جاگتا ہے‘ اور پھر اس طرح سوتا ہے کہ سحر خیزی کی لذت آشنائی تو کجا نمازِ فجر بھی ضائع کر دیتا ہے۔ دفاتر نو بجے کے لگ بھگ کھلتے ہیں۔ مارکیٹیں اور بازار گیارہ بجے بلکہ بعض بڑے شہروں میں اس سے بھی دیر سے کھلتے ہیں اور رات گیارہ‘ بارہ بجے تک کاروبار اور خرید وفروخت جاری رہتی ہے۔ یہ روش اسلام کے نظامِ اوقات کے منافی‘ اور فطرت سے کھلا تصادم ہے۔

اگر کسی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اُس کی عمر میں برکت ہو‘ اُس کے جسم وجان کی صلاحیتوں میں نکھار آئے اور قوتِ کار میں اضافہ‘ تو اُسے روحِ اسلام سے منافی اِس ترتیبِ اوقات کو ترک کر کے روزمرہ زندگی کے لیے اسلام کے بتائے ہوئے نظامِ اوقات کو اختیار کرنا ہوگا۔ اِسی پر چل کر وہ دُنیوی کامیابیوں سے بھی ہمکنار ہو سکتا ہے اور اُخروی فوز وفلاح سے بھی۔ یہ نظامِ اوقات اپنے آغاز کے اعتبار سے دو درجے رکھتا ہے۔ ایک ابتدائی درجہ ہے‘ جس کو اختیار کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان کے دن کا آغاز لازماً طلوعِ شمس سے پہلے ہو۔ وہ صبح سویرے اُٹھ کر نمازِ فجر ادا کرے اور ذکر وتلاوت میں مشغول ہو جائے۔ مَردوں کے لیے باجماعت نماز کا اہتمام ضروری ہے۔ وہ صاف ستھری اور پاکیزہ صبح

سے ایک ایسے وقت میں ہمکنار ہو جبکہ وہ گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی سانسوں کی آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے‘ جو دن چڑھنے پر بیدار ہوتے ہیں۔ یوں وہ صبح تڑکے یادِ الٰہی سے اپنے دن کا آغاز اور استقبال کرے اور ساتھ ہی اپنے دُنیوی مشاغل اور کاموں میں لگ جائے۔ یہ وہ وقت ہے جس میں رسولِ خدا ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے برکت کی دُعا فرمائی ہے۔ بخاری شریف کی ایک اور روایت کے مطابق اِس انداز سے صبح کرنے والوں کی صبح پُر نشاط اور خوشگوار رہتی ہے‘ اور نفس کی خباثت اور سستی اُن پر حاوی نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے جب کوئی سویا ہوتا ہے تو شیطان اُس کی گُدی پر تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر ایک گرہ پر کہتا ہے ابھی رات طویل ہے‘ تو سویا رہ۔ لیکن جب وہ شخص بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اس طرح اُس کی صبح پُرنشاط اور خوشگوار ہوتی ہے۔ اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے اُن کے نفس میں خباثت اور جسم میں سستی ہوتی ہے‘‘۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ نمازِ فجر وقت پر پڑھنے والا شخص دن بھر ہشاش بشاش اور چاق وچوبند رہتا ہے‘ کیونکہ یہی وقت اُس کی روحانی اور جسمانی بیٹری کے چارج ہونے کا ہے۔

نظامِ اوقات کا دوسرا اور اعلیٰ درجہ وہ ہے جسے اختیار کرنا گو لازم نہیں ہے‘ مگر اُس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ اللہ کا قرب ڈھونڈنے والے اُسے پورے شعور سے اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے بہت پہلے مسلمان اپنا بستر چھوڑ دے‘ اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہو اور دعا ومناجات میں مشغول ہو جائے۔ اِسی کا نام سحر خیزی ہے۔ جماعتِ صحابہؓ کے بارے میں اِسی سحر خیزی کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ وہ دن کے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ رات کے راہب ہیں۔ یہ کام آسان نہیں‘ نہایت مشکل ہے۔ نفس کا منہ زور گھوڑا اس طرف آنے نہیں دیتا۔ مگر وہ جو عشقِ حقیقی کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں‘ اُن کے لیے یہ ’مشکل‘ مشکل نہیں رہتی۔ وہ اس مشکل سے بآسانی گزر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہتے ہیں‘ اور آج بھی موجود ہیں۔ اقبال نے انہی کے بارے میں ابلیس کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ ؎

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

قرآن حکیم اور احادیث رسول ﷺ میں سحر خیزی کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ سورۃ

بنی اسرائیل میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا :

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾﴾

''اور رات کے ایک حصے میں آپؐ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ' یہ ایک اضافی چیز ہے آپؐ کے لیے' امید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

سورۃ آل عمران میں اہل جنت کے اوصاف کے تذکرہ میں اُن کی ایک اہم صفت سحرخیزی آئی ہے۔ فرمایا:

﴿اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾﴾

''یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں' راست باز ہیں' فرمان بردار اور فیاض ہیں' اور رات کے آخری پہر اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں۔''

سورۃ الذاریات میں بھی جہاں روزِ جزا اہل تقویٰ کے اعزاز و اکرام کا بیان ہے' وہاں بھی اہل جنت کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے:

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾﴾

''وہ راتوں کو کم سوتے تھے۔ پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے۔''

نبی کریم ﷺ نے رات کی نماز کو اللہ کے قرب اور دُعا کی قبولیت کا ذریعہ بتایا ہے۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیام اللیل کو ضروری سمجھو' کیونکہ یہ طریقہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا ہے اور پھر قیام اللیل تمہارے پروردگار کے قرب اور گناہوں سے دور ہونے کا سبب ہے۔ نیز تمہیں گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔'' (ترمذی)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''پروردگار اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب آخر شب میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تم بھی اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو سکتے ہو تو ضرور ہو جاؤ۔'' (ترمذی)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس وقت کی دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''آخری تہائی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد۔'' (ترمذی)

نبی اکرم ﷺ نے ایسے میاں بیوی کے لیے اللہ کی رحمت کی دُعا فرمائی جن میں سے ایک

اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے تو دوسرے کو بھی جگائے اور اگر نہ جاگے تو جگانے کے لیے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (ابوداؤد' نسائی)

جدید سائنسی تحقیقات سے بھی سحرخیزی کی اہمیت اور افادیت اجاگر ہوتی ہے۔ چینی سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق تمام حیات بخش شعاعوں (Life giving rays) کا نزول صبح صادق سے پہلے ہونے لگتا ہے۔ یہ شعاعیں نہ صرف حیات بخش ہیں بلکہ دل و دماغ کے مراکز کو فراست اور توانائی سے بھی سرفراز کرتی ہیں۔ گویا جسم کے اندر توانائی کی نمو انہی اوقات میں ہوتی ہے۔ تحقیقات کے مطابق توانائی رات تین بجے جسم کے پھیپھڑوں کے چینل میں داخل ہوتی ہے۔ دو گھنٹے قیام کے بعد یکے بعد دیگرے جسم کے کل بارہ چینل میں گردش ہوتی ہے۔ ہر چینل (یا عضو) میں توانائی کا قیام دو گھنٹے ہوتا ہے۔ جرمنی کے حیاتیاتی ماہرین کی ایک ٹیم نے اپنی تحقیق میں ثابت کیا ہے کہ رات کے پچھلے پہر بیدار ہونے سے انسانی صحت اور دماغ پر بہت اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ چہرے کے حسن' تروتازگی اور شگفتگی کا راز تہجد کی نماز ہے۔ تہجد کی نماز سے کمر کے مہرے بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ اعصاب کو تقویت ملتی ہے' جس کے نتیجے میں چہرے پر جھریاں ظاہر نہیں ہوتیں۔

جرمنی کے شہر میونخ میں واقع لڈوگ یونیورسٹی سے وابستہ حیاتیاتی ماہرین نے ایک تحقیق میں انسانی جسم میں حیاتیاتی گھڑی (Biological Clock) کا پتا چلایا ہے۔ اُن کے بقول یہ حیاتیاتی گھڑی انسان کے دماغ کے اگلے حصہ میں کھجور کی گٹھلی جیسے غدود کی شکل میں پائی جاتی ہے' جو جسم میں ظاہر ہونے والی تبدیلیوں اور روشنی اور اندھیرے میں انسان پر مرتب ہونے والے اثرات دماغ تک پہنچانے میں معاونت کرتی ہے۔ دماغ میں موجود یہ حیاتاتی گھڑی روشنی میں تادیر رہنے کے سبب انسانی جسم پر برے اثرات مرتب کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو رات کو دیر تک جاگتے' روشنی میں رہتے ہیں' ٹی وی دیکھتے یا کمپیوٹر پر بیٹھے رہتے ہیں' اس کا منفی اثر اُن کے دماغ کے اس حصے پر براہ راست پڑتا ہے جس کا منفی نتیجہ انسانی صحت پر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اُن کے دماغ پر چڑچڑے پن اور عدم برداشت جیسے اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں' جس میں بنیادی کردار اِسی حیاتیاتی گھڑی کا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو رات کو جلدی سو جاتے اور رات کے آخری حصے میں اٹھ کر کسی قسم کی ہلکی پھلکی ورزش کرتے ہیں' اس کی بنا پر حیاتیاتی گھڑی اُن کے جسم پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔ اُن کی صحت اچھی رہتی ہے اور

وہ جلدی بوڑھے نہیں ہوتے۔ جرمن ماہرین کے مطابق نماز میں وہ تمام فوائد پائے جاتے ہیں جو ورزش میں موجود ہوتے ہیں۔ ماہرین نے ۵۵ ہزار افراد پر تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ وہ افراد جو رات کو جلدی سو کر آخری پہر ہلکی پھلکی ورزش کرتے ہیں' وہ دیر سے بوڑھے ہوتے ہیں۔ یہ حیاتیاتی گھڑی کے بہت مثبت اثرات مرتب کرنے کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حیاتیاتی گھڑی کی حفاظت کے لیے فطرت کے نظامِ اوقات کو اپنانا ضروری ہے۔

ہم نے سطور بالا میں جس نظام اوقات کی ضرورت وافادیت کا تذکرہ کیا ہے' ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے پورے شعور سے اپنایا جائے۔ ہر مسلمان اسے اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اس کی دینی تعلیمات' فطرت اور سائنس سب کا تقاضا ہے۔ دینی تنظیمیں اور جماعتیں اس حوالے سے شعور بیدار کریں۔ اپنے کارکنوں اور اپنے زیر انتظام چلنے والے اداروں/ دفاتر کے اوقات کار میں اس انداز سے تبدیلی کی جائے کہ جس سے صبح جلدی اٹھنے اور رات کو جلدی سونے کا کلچر فروغ پائے۔ ہماری زندگی جتنی زیادہ دینِ اسلام اور فطرت اللہ کے قریب ہوگی' ہم خوشحال' صحت مند اور ذہنی آسودگی سے سرشار رہیں گے۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے کی

21 اسلامی انقلابی شخصیات

تعارف' کارنامے' علمی خدمات

(حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر علامہ محمد اقبالؒ تک)

انجینئر مختار فاروقی

صفحات: 316 ' قیمت: 380 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2۔ ٹوبہ روڈ' جھنگ فون 7630861 , 7630863 (047)

زندگی کے سارے سُکھ' صحت اور تن درستی سے ہیں

تن سُکھ سے تن درست

تن سُکھ جسم وجاں کو تقویت پہنچاتا ہے، نظامِ ہضم اور افعالِ جگر کی اصلاح کرتا ہے

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم' سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

دیارِ غیر میں چند ہفتے

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

میری بیٹی بال بچوں سمیت کئی سال سے امریکہ کی ریاست ٹیکساس کے شہر ہیوسٹن میں مقیم ہے۔ وہ تو دو تین سال کے بعد پاکستان آجاتی تھی لیکن میں وہاں کبھی نہیں گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہاں شادی کی ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں مجھے بھی بلایا گیا۔ میں اپنے دو بیٹوں‘ ایک بہو‘ ایک پوتی اور دو چھوٹے بچوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم بچوں سمیت کل سات افراد تھے۔ ضروری سامان ساتھ لیا اور لاہور ایئر پورٹ پر پہنچ گئے‘ معمول کی چیکنگ کے بعد ہمارا سامان بک ہو گیا‘ ہم جہاز میں بیٹھ گئے۔ اڑھائی گھنٹے کی پرواز کے بعد ہمارا جہاز ابوظہبی ایئر پورٹ پر اترا۔ ایئر پورٹ صاف ستھرا تھا۔ وہاں سگریٹ پینا سختی کے ساتھ ممنوع ہے۔ چونکہ کچھ لوگ بری طرح سگریٹ کے عادی ہوتے ہیں اس لیے ایئر پورٹ پر شیشے کا ایک کمرہ مخصوص کیا گیا ہے جس کا دروازہ بند کر کے لوگ سگریٹ نوشی کر سکتے ہیں۔ ایئر پورٹ پر ضرورت کی معمولی چیزیں مل جاتی ہیں‘ لیکن وہاں نرخ کافی زیادہ ہوتے ہیں۔ وہاں معمول کی کارروائی کے بعد جہاز شکاگو کے سفر پر روانہ ہوا۔ یہ سفر لگاتار ۱۳ گھنٹے کا تھا۔ کبھی جہاز کے نیچے زمین تھی اور کہیں سمندر۔ راستے میں کئی علاقوں سے گزرنا ہوا۔ چونکہ سفر لمبا تھا اس لیے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جہاز میں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ کچھ ملتا رہا۔ دو دفعہ تو بھرپور کھانا دیا گیا۔ کھانا معیاری تھا جو مسافروں نے رغبت کے ساتھ کھایا۔ جہاز میں سواریوں کو کمبل بھی فراہم کیے گئے کہ اگر سردی محسوس کریں تو ان سے فائدہ اٹھائیں۔ ہر سیٹ کے سامنے ایک سکرین تھی جس پر جہاز کا راستہ نمایاں تھا اور لحظہ لحظہ نظر آ رہا تھا کہ جہاز کہاں پہنچ رہا ہے۔ نقشے پر یہ معلومات بھی تھیں کہ جہاز کی رفتار کیا ہے‘ یہ کتنی بلندی پر اڑ رہا ہے‘ باہر کا درجہ حرارت کیا ہے‘ جہاز نے کتنا سفر طے کر لیا ہے‘ جہاز کو پرواز کرتے ہوئے کتنا وقت ہو گیا ہے اور منزل پر پہنچنے کے لیے اندازاً کتنا وقت مزید لگے گا۔

ہمارا جہاز وقت کی پابندی کے ساتھ شکاگو ایئر پورٹ پر اترا جہاں مسافروں کی بھرپور چیکنگ کی گئی۔ اس کے بعد ہمیں دوسرے جہاز پر سوار ہونا پڑا۔ وہاں سے چلے تو تین گھنٹے کے بعد ہم ہیوسٹن ایئر پورٹ پر اترے۔ میرے بیٹے کو اس کے دوست کی فیملی نے کچھ سامان دیا تھا۔ راستے کے ایک

ایئر پورٹ پر جب ہم نے چیکنگ کروا کر سامان دوسرے جہاز کے لیے بک کرا دیا تو میرے بیٹے کا دوست اپنا سامان لینے کے لیے ہم سے آملا‘ مگر سامان تو بک ہو چکا تھا۔ ہمارا سب کا خیال تھا کہ اب تو سامان نہیں مل سکتا‘ مگر پھر خیال ہوا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ متعلقہ حکام کے پاس گئے اور انہیں صورتِ حال بتا کر گزارش کی کہ ہمیں متعلقہ بیگ واپس مل جائیں تو ہم ان میں سے کچھ سامان نکال لیں گے اور بیگ دوبارہ جمع کرا دیں گے۔ تھوڑی سی بات چیت کے بعد ہمیں بیگ دے دیے گئے۔ ہم نے کچھ سامان نکالا اور بیگ دوبارہ جمع کرا دیے۔ جب ہم منزل پر پہنچے اور سامان وصول کیا تو وہ دو بیگ جن کو واپس لے کر ان سے سامان نکالا تھا وہ نہ ملے۔ ایئر پورٹ پر ہمارے عزیز ہمیں لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ جب ہم دو بیگ نہ ملنے پر پریشان ہوئے تو انہوں نے ہمیں تسلی دی اور کہا کہ آپ مطمئن رہیں‘ سامان مل جائے گا۔ انہوں نے ایئر پورٹ پر شکایت درج کروا دی۔ رات گزر گئی‘ دن چڑھا تو ایئر پورٹ سے فون آیا کہ آپ کا سامان پہنچ چکا ہے۔ اپنے گھر کا راستہ بتائیے ہم سامان لے کر آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ ہم نے راستہ بتا دیا۔ چنانچہ چند گھنٹے گزرے کہ وہ گم شدہ بیگ لے کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سامان لانے والوں نے کسی رقم کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس بات پر معذرت کی کہ آپ کو تکلیف ہوئی اور شکریہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔

ابھی شادی میں چند دن باقی تھے۔ ہم نے سفر کی تھکاوٹ دور کی اور ماحول کا مشاہدہ کرنے لگے۔ جس آبادی میں ہم تھے اُس میں کم آمدنی والوں کے لیے رہائش گاہیں تھیں۔ یہ چھ چھ مرلے کے مکان تھے جو انتہائی مہارت کے ساتھ ہم شکل تعمیر کیے گئے تھے۔ یہاں ہر قسم کی سہولت تھی۔ رات دن AC چل رہے تھے۔ مکان قطار در قطار تھے۔ درمیان میں مناسب سائز کا پارک تھا جس کے ساتھ صاف پانی کا سوئمنگ پول تھا۔ pool میں نہانے کے لیے مَردوں اور عورتوں کے الگ الگ اوقات مقرر نہیں‘ بلکہ ایک ہی وقت میں لڑکے اور مرد‘ لڑکیاں اور عورتیں انتہائی مختصر کپڑے پہنے تالاب میں نہاتے ہیں اور بالکل شرم وحیا محسوس نہیں کرتے۔ ان مکانوں میں مختلف مذہب وملت کے لوگ کرائے پر رہ رہے تھے۔ ہر مکان کے ساتھ ایک گیراج ہے۔ گیراج کے علاوہ باہر گاڑی کھڑی کرنے کے لیے منظم جگہیں ہیں۔ مرکز خریداری اور مارکیٹیں یہاں سے دو تین میل کے فاصلے پر ہیں۔ ہر فیملی کے پاس اپنی گاڑی ہے‘ کیونکہ گاڑی کے بغیر یہاں رہائش ممکن نہیں۔ اگر کوئی مہمان آجائے تو اُس کی ابتدائی تواضع کے لیے ہر ضروری چیز ہر وقت گھر میں رکھی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے لیے کچھ کچھ فاصلے پر مسجدیں ہیں‘ جہاں لوگ گاڑیوں پر سوار ہو کر آتے ہیں۔ جو مسجدیں ہم نے دیکھیں وہ کشادہ اور خوبصورت تھیں۔ ایک مسجد تو چار ایکڑ کے قریب وسیع تھی۔ ہر مسجد

میں مردوں کے علاوہ عورتوں کے نماز پڑھنے کا بھی انتظام ہے۔ ساتھ مدرسہ اور سکول بھی ہے۔ مسجدوں میں امام اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں' ان میں اکثر Ph.D ہیں۔ یہاں کی مساجد کے ساتھ مینار نہیں ہیں۔ اذان بھی مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے۔ مسجدوں میں اسلامی تقریبات منعقد کرنے کے لیے کشادہ ہال ہیں جن میں صاف ستھری کرسیاں اور صوفے لگے ہوئے ہیں۔ ہماری شادی کی دعوت بھی ایک مسجد کے کشادہ اور صاف ستھرے ہال میں ہوئی۔ اس مسجد کے امام صاحب بہت بااخلاق اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں' جو اردو' انگریزی اور عربی میں ماہر ہیں۔ وہاں مسجدوں میں تبلیغی جماعت کے لوگوں کا عمل دخل بھی دیکھا جو وہاں بیٹھ کر تعلیم کرتے اور مسلمانوں کے گھروں تک پہنچ کر انہیں تبلیغ کرتے۔

میں رمضان میں وہاں تھا۔ میں نے دیکھا کہ مسجدوں میں مخیّر حضرات کی طرف سے افطاری کا عام انتظام تھا۔ تراویح میں بہت لوگ آتے تھے مگر یہاں کی طرح زیادہ لوگ آٹھ تراویح پڑھ کر چلے جاتے تھے۔ تراویح پڑھانے کے لیے یہاں حافظ عام ہیں۔ ہماری مسجد میں چار تراویح کے بعد صاف پانی کی سیل بند بوتلیں تقسیم کی جاتی تھیں جو اُس وقت روزہ دار لوگوں کی پیاس بجھانے کا بروقت انتظام تھا۔ ایک دن مسجد ابوبکر صدیقؓ میں ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا محمد یوسف اصلاحی تشریف لائے۔ انہوں نے مغرب کی نماز کے بعد مختصر مگر جامع الفاظ میں خطاب کیا۔ ان کا بیان بڑا پُرتاثیر تھا جسے سامعین نے بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ سنا۔

یہ ملک اور یہ شہر مسلمانوں کا نہیں۔ یہاں ہر مذہب کے لوگ ہیں' البتہ پاکستانی مسلمان کافی تعداد میں ہیں جن میں اکثر نماز روزے کے پابند ہیں۔ ان لوگوں کی مذہب کے ساتھ وابستگی دیدنی ہے۔ رمضان میں مسجدوں میں بہت رونق ہوتی ہے۔ کسی کسی مسجد میں محفلِ شبینہ کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ ہر مسجد میں چند لوگ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف بھی کرتے ہیں۔ عام طور پر رمضان کی آخری راتوں میں ختم قرآن ہوتا ہے' مٹھائی بانٹی جاتی ہے اور fund raising کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں مہمان خصوصی بلائے جاتے ہیں جو اس فن کے ماہر ہوتے ہیں۔ بڑی تعداد میں رقم اکٹھی کی جاتی ہے جو مسجدوں کی ضروریات میں خرچ کی جاتی ہے اور نئی مساجد بنانے میں استعمال ہوتی ہے۔ مسجدوں میں بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا ہے' حفظ کا بھی انتظام ہے۔

ہماری رہائش مسجد سے تقریباً ساڑھے تین میل دور تھی (فاصلے یہاں کلومیٹر نہیں بلکہ میل کے حساب سے شمار کیے جاتے ہیں) میرا میزبان متقی آدمی تھا اور وہ مجھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے ہر روز پانچ وقت گاڑی میں مسجد لے جاتا تھا اور اس کا اس قدر اہتمام کرتا کہ اگر قریب ترین مسجد میں جماعت نکل جانے کا اندیشہ ہوتا تو دوسری مسجد میں چلے جاتے جہاں جماعت مل جاتی۔ دیارِ غیر میں مسلمانوں کی نماز کے ساتھ ایسی وابستگی قابل تعریف ہے۔

یہاں زمین نظر نہیں آتی۔ ہر جگہ زمین گھاس سے ڈھکی ہوئی ہے۔ گھاس کی مناسب وقفے سے کٹائی ہوتی رہتی ہے۔ مٹی کہیں نہیں' اس لیے ماحول میں آلودگی (pollution) نہیں ہے۔ سفید کپڑے ایک ہفتے تک بھی پہنے جاسکتے ہیں' میلے نہیں ہوتے' جوتوں کو پالش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر جگہ گھاس کی وجہ سے بارش میں نہ کیچڑ ہوتا ہے اور نہ کہیں پانی کھڑا ہوتا ہے۔ مہینوں گاڑی کو کپڑے کے ساتھ صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ گاڑیاں طرح طرح کے ماڈلز کی ہیں جن کی قیمت پاکستان کی نسبت بہت کم ہے۔

گھروں کے سامنے نہ نالیاں ہیں نہ گٹر۔ سیوریج سسٹم تمام کا تمام انڈر گراؤنڈ اور اعلیٰ معیار کا ہے۔ بجلی جانے کا کوئی سوال نہیں' بلکہ ضرورت سے زیادہ ہے' مگر اس کا استعمال سلیقے سے ہے۔ ایسا نہیں کہ دن کے وقت بھی سڑکوں پر بتیاں جل رہی ہوں۔

گھروں اور مسجدوں میں چھت کے پنکھے پانچ پانچ پروں والے ہیں جو بالکل بے آواز ہیں۔ مسجد کے ہال میں دس پندرہ پنکھے چل رہے ہوں تو معمولی سی آواز بھی نہیں آتی۔ گھروں کے ہر کمرے میں ایک ایک لائٹ اور ایک ایک پنکھا ہے۔ بڑی بڑی عمارتوں میں بھی عام طور پر مختصر سے سوئچ بورڈ ہیں۔ ہر بورڈ پر دو تین سوئچ ہیں' جو اوپر کریں تو on ہوتے ہیں' نیچے کریں تو off ہوتے ہیں۔ ہر گھر کے ساتھ گیراج ہے۔ جب گاڑی اس کے دروازے کے سامنے آتی ہے تو گیراج کا شٹر خود بخود کھل جاتا ہے۔ اسی طرح locality کا مین گیٹ بھی خود بخود کھل جاتا ہے اور گاڑی نکل جائے تو خود بخود بند ہو جاتا ہے۔

گھر کے باہر کی باڑ ہفتے میں ایک دفعہ سلیقے کے ساتھ کاٹ کر خوبصورت بنا دی جاتی ہے۔

گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے جگہیں مقرر ہیں' جن کی violation نہیں کی جاسکتی۔ جہاں No Parking کا بورڈ لگا ہے وہاں کوئی شخص ہرگز گاڑی نہیں کھڑی کرتا۔ ہر پارکنگ میں معذور افراد کے لیے مخصوص جگہیں ہیں' جہاں وہ اپنی گاڑی کھڑی کرتے ہیں' کوئی دوسرا وہاں اپنی گاڑی ہرگز کھڑی نہیں کرسکتا۔ ٹریفک کے قواعد پر سختی سے عمل درآمد کرایا جاتا ہے ورنہ بھاری جرمانے کیے جاتے ہیں اور جرمانہ کرنے والے کو سفارش یا رشوت کے ساتھ راضی نہیں کیا جاسکتا۔ سڑکیں ہماری موٹروے کی طرح کشادہ اور صاف ستھری ہیں۔ اشارے ہمہ وقت کام کر رہے ہیں۔ ٹریفک بڑی منظم اور ڈرائیونگ آسان ہے۔ جانے آنے کے لیے الگ سڑکیں ہیں۔ اوورٹیکنگ کا بالکل رجحان نہیں۔ ایک سڑک پر چار چار پانچ پانچ lane ہیں۔ بڑی شاہراہ میں ایک لین پولیس کے لیے مخصوص ہے' وہ ہمیشہ خالی رہتی ہے۔ اس میں عام گاڑیاں نہیں چل سکتیں۔ صرف ضرورت کے وقت پولیس کی گاڑیاں وہاں چلتی ہیں۔ کشادہ ہونے کی وجہ سے سڑکوں پر رش نہیں ہوتا مگر پھر بھی بعض مخصوص اوقات میں رش ہو جاتا ہے۔ سڑکوں پر کراس کے لیے اوپر نیچے لمبے لمبے پل بنائے گئے ہیں' جو بہت خوبصورت اور

مضبوط ہیں۔ یہ overhead bridge عام ہیں اور اکثر ایک فرلانگ سے تین چار فرلانگ تک لمبے ہیں اور بڑی مہارت سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی نہیں بلکہ جدید ترین مشینوں کے ذریعے ہموار اور مضبوط بنائی گئی ہیں۔ سڑک کے دائیں بائیں ایک راستہ اس طرح چلتا ہے کہ اگر گاڑی کا ٹائر اس پر آ جائے تو گاڑی میں شور مچ جاتا ہے۔ یہ ٹریک مہارت کے ساتھ اس لیے بنایا گیا ہے کہ لمبے سفر کے دوران اگر ڈرائیور کو نیند آ جائے اور گاڑی اپنے ٹریک سے ہٹ کر نیچے آئے تو فوراً شور مچ جائے اور ڈرائیور نیند سے بیدار ہو جائے۔ گاڑی میں بیٹھ جائیں تو سیٹ بیلٹ لگانا ڈرائیور اور دوسرے سواروں کے لیے ضروری ہوتا ہے‘ اگر کسی نے سیٹ بیلٹ نہ لگائی ہو تو گاڑی میں الارم بجنے لگتا ہے جس سے مطلع ہو کر جس نے سیٹ بیلٹ نہ لگائی ہو وہ بیلٹ لگا لیتا ہے۔

سائیکل اور موٹر سائیکل یہاں بالعموم نہیں چلتے‘ کبھی کبھار کوئی موٹر سائیکل نظر آتی ہے۔ سائیکل اور موٹر سائیکل کو دیکھ کر کار کا ڈرائیور محتاط ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کا نقصان نہ ہو جائے۔ پیدل چلنے کا تو کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ نہ یہاں پبلک ٹرانسپورٹ ہے‘ نہ رکشے ٹیکسیاں‘ بس اپنی کار پر ہی ہر جگہ جانا ہوتا ہے۔

گھروں میں نوکر چاکروں کا بالکل رواج نہیں۔ گھر کے سارے کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔ ایک دن میرے ساتھ پاکستان سے جانے والی میری بہو وہاں برتن دھو رہی تھی تو وہاں کی ایک پاکستانی عورت اُسے دیکھ کر کہنے لگی: پاکستانی رانی یہاں خود برتن صاف کر رہی ہے! یعنی پاکستان میں تو ایک ایک گھر میں تین تین خادم اور خادمائیں ہیں‘ ایک صفائی کرتی ہے‘ دوسری برتن صاف کرتی ہے‘ تیسری کپڑے دھوتی ہے۔ اگر گاڑی ہے تو ایک ڈرائیور۔ اگر میسر ہو تو دروازے پر ایک گارڈ بھی کھڑا ہوتا ہے۔ مگر یہاں خادم یا خادمہ کا کوئی سوال نہیں‘ سب کام خود کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں سیکورٹی کا کوئی مسئلہ نہیں۔ گھروں کی maintenance کے کام کے لیے کارندے آتے ہیں‘ ان کا دھیان رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں‘ وہ پوری دیانت داری اور ایمان داری سے کام کرتے ہیں‘ بلکہ گھر کی ایک چابی ان کے پاس ہوتی ہے۔ اگر گھر والے گھر پر نہ بھی ہوں تو وہ دروازہ کھول کر مرمت وغیرہ کا کام کر جاتے ہیں۔

مشہور ہے کہ یہ تیزی اور جلدی کا زمانہ ہے۔ یہاں لوگ مصروف بہت ہیں مگر جلدی کا کوئی سوال نہیں۔ ہر کام نظم وضبط کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ شادی کے ولیمے کا انتظام ایک عمدہ ہوٹل میں تھا جو کسی طور پر بھی ہمارے پرل کانٹی نینٹل سے کم نہ تھا۔ لوگ اطمینان سے بیٹھے تھے۔ عورتوں کا الگ اور مردوں کا الگ انتظام تھا۔ کھانا بوفے (buffet) تھا۔ تقریباً دو سو مہمانوں کے لیے صرف ایک ٹیبل پر کھانے کی ڈشز (dishes) ترتیب وار رکھی گئی تھیں۔ سب سے پہلے مجھے کھانے کے لیے بلایا گیا۔ جب میں کھانا اپنی پلیٹ میں ڈال رہا تھا تو باقی مہمان میرے پیچھے قطار میں کھڑے تھے۔ ہر شخص اپنی باری پر اس ترتیب سے کھانا لے رہا تھا جس ترتیب سے ڈشز پڑی تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ

کھانے پر ہجوم ہو گیا ہو۔ کھانے کے بعد مفتی سلیم صاحب نے جامع الفاظ میں دعا کروائی جس میں دولہا دلہن‘ ان کے خاندانوں اور سب حاضرین کے لیے خیر و برکت کی دعا کی اور لوگوں نے اس پر آمین کہا۔

یہاں قانون کی حکمرانی ہے‘ چھوٹے بڑے سب کے لیے ایک قانون ہے۔ حکمرانوں کے لیے نہ کوئی خاص سواری ہے نہ پروٹوکول۔ انہیں بھی سب کے ساتھ لائن میں لگنا ہوتا ہے اور ٹریفک کے اشاروں کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔

سب لوگ اپنے گھروں میں کمروں میں سوتے ہیں۔ جون‘ جولائی میں باہر تو گرمی ہوتی ہے مگر گھر کے اندر AC کی وجہ سے ٹھنڈا ماحول ہوتا ہے اور کبھی گرم کمبل لینے پڑتے ہیں۔ چونکہ بجلی وافر ہے اس لیے لوڈشیڈنگ کا کوئی خدشہ نہیں‘ بلکہ اکثر گھروں میں کھانا پکانے کے لیے چولہے تک بجلی سے چلتے ہیں۔

لوگوں میں کتابیں پڑھنے کا رجحان ہے۔ جب بھی انہیں موقع ملتا ہے اپنے بیگ سے کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لباس کے معاملے میں بہت آزادی ہے‘ ہر کوئی اپنے مذہب‘ معاشرے‘ رواج اور ذوق کے مطابق لباس پہنتا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کے لباس پر تنقید نہیں کرتا۔ بعض لباس تو شرمناک ہوتے ہیں‘ یعنی برائے نام سے۔

ایک دن گھر میں پوڑیاں تلی جا رہی تھیں کہ یکایک گھر کے کمروں میں الارم بجنے لگا۔ میں نے اہل خانہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہاں ہر گھر میں یہ الارم لگے ہوئے ہیں جو گھر میں دھواں اٹھنے کی صورت میں بجنے لگتے ہیں‘ تاکہ جب دھواں اٹھے تو فوراً انتظام کر لیا جائے کہ آگ نہ لگ جائے۔ چونکہ گھر میں پوڑیاں تل رہے تھے جن سے ایک قسم کا دھواں اٹھ رہا تھا اس لیے الارم بجنے لگا۔ پوڑیاں تل چکے اور دھواں ختم ہو گیا تو ساتھ ہی الارم خاموش ہو گیا۔

یہاں بہت سے مسلمان خاندان رہ رہے ہیں‘ کاروبار کر رہے ہیں اور خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ بچوں کی تعلیم کے لیے ہر طرح کے ادارے موجود ہیں۔ دسویں تک تعلیم بالکل فری ہے‘ کتابیں بھی سکول سے مفت ملتی ہیں۔ اس لیے ہر خاندان کو بچے سکول بھیجنے ہوتے ہیں‘ ورنہ وہ حکومت کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ چائلڈ لیبر کا کوئی سوال نہیں‘ تاہم اس ماحول میں تعلیم پانے اور اس آزاد معاشرے میں رہنے کی وجہ سے ان میں بے راہ روی کا بہت امکان موجود ہے۔ اگرچہ والدین پوری سنجیدگی اور فکرمندی کے ساتھ ان کی پرورش کریں مگر ماحول سے متاثر ہونا تو فطری بات ہے۔ مسلمان بچے وہاں ڈسپلن اور manner تو سیکھ جاتے ہیں مگر اسلامی اقدار سے بے خبر رہتے ہیں۔ اس پہلو سے مسلمان خاندانوں کا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔

رہائشی مکان اور اپارٹمنٹس تو ایک یا دو منزلہ ہوتے ہیں لیکن دفاتر کی عمارتیں درجنوں منزلوں پر مشتمل ہیں۔ ایک تجارتی مرکز وسیع وعریض رقبے پر مشتمل ہوتا ہے جس میں ہر قسم کی صاف ستھری دکانیں ہوتی ہیں۔ ایک شاپنگ مال میں داخل ہو جائیں تو ضرورت کی ہر چیز وہاں سے مل جاتی ہے۔ وہاں ادویات بھی مل جاتی ہیں۔ دوائیاں صرف ڈاکٹر کی تجویز کردہ ہی ملتی ہیں' البتہ کچھ دوائیاں ایسی ہیں جو ڈاکٹری نسخے کے بغیر بھی مل جاتی ہیں۔ یہ وہ دوائیں ہیں جو بے ضرر اور عام چھوٹی موٹی جسمانی تکلیف کے لیے ہوتی ہیں۔ مثلاً سر درد' بدہضمی' بے خوابی' الرجی وغیرہ۔ ڈاکٹروں کی فیسیں بہت زیادہ ہیں جو عام آدمی کی پہنچ سے دور ہیں۔ تجارتی مراکز میں دکانوں کے علاوہ بچوں کی دلچسپی کی کھیلیں اور جھولے وغیرہ بھی ہوتے ہیں' جہاں بچے اپنی پسند کی کھیلوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کسی دکان سے اگر کوئی شخص ایک چیز خرید کر لے گیا ہے اور گھر جا کر اسے وہ چیز پسند نہیں یا اس کی ضرورت کی نہیں تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے۔ دکاندار بڑی خوشی سے واپس لے لیتا ہے' اگرچہ وہ چیز دو تین دن کے بعد ہی واپس کی گئی ہو۔

خریداری مراکز میں چیزوں کی قیمتیں مقرر ہیں۔ ایک ہی قیمت کی چیزیں اکٹھی رکھ دی جاتی ہیں۔ خریدار کو قیمت نہیں پوچھنی پڑتی۔ گاہک خریداری مرکز میں گھوم پھر کر اپنی پسند کی چیزیں ٹرالی میں رکھ لیتا ہے اور کاؤنٹر پر بل بنوا کر رقم ادا کر دیتا ہے۔ ماہر ملازم کمپیوٹر کے ذریعے درجنوں چیزوں کا بل چند منٹوں میں بنا دیتا ہے۔ ہر خریداری مرکز والے اپنی اشیاء کی قیمتیں کاغذ پر مشتہر کر کے مختلف جگہوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ اگر کسی وقت گاہک اعتراض کرے کہ فلاں چیز کی قیمت یہاں زیادہ ہے اور دوسری جگہ وہ کم قیمت پر مل رہی ہے اور وہاں کا اشتہار بھی دکھا دیتا ہے تو اسے اسی کم قیمت پر وہ چیز دے دی جاتی ہے۔ یہاں بھی لوگوں کو قطار میں آنا پڑتا ہے اور کوئی شخص خلاف ورزی نہیں کرتا بلکہ صبر وتحمل سے اپنی باری کا انتظار کرتا ہے۔ اگر خریداروں کی قطار لمبی ہو اور کسی شخص کو جلدی ہو تو وہ اپنی ٹرالی اور اس میں پڑی ہوئی چیزیں وہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور ادارے کے مالک کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ان مراکز میں مرد اور عورتیں خریداری کرتے پھرتے ہیں۔ مرد تو کسی حد تک ملبوس ہوتے ہیں مگر اکثر عورتیں بے لباس ہوتی ہیں' جنہوں نے کپڑے کا ایک مختصر سا ٹکڑا زیر ناف رکھا ہوتا ہے اور ایک ٹکڑا سینے پر باندھا ہوتا ہے۔ یہاں عورتوں میں میک اپ کا رجحان نہیں۔ کوئی ایک عورت بھی وہاں ایسی نہیں دیکھی جس نے اپنے چہرے کو کاسمیٹک کے ساتھ سجایا ہوا ہو۔ چہرہ بالکل سادہ رکھتی ہیں۔

شہر کے جس حصے کی بڑی آبادی میں ہم رہتے تھے وہاں کوئی ریڑھی والا' چھوٹی موٹی ضرورت کی اشیاء بیچنے والا نہیں آتا تھا۔ معمولی سے معمولی چیز بھی دور دراز کے تجارتی مراکز کی دکانوں سے خریدنا ہوتی ہے' خواہ وہ بچوں کے لیے ٹافیاں' آئس کریم یا معمولی کھلونے ہی کیوں نہ ہوں۔

یہاں ہر طرف پُرسکون ماحول ہے۔ کوئی جلسہ' جلوس' ریلی یا احتجاجی اجتماع نہیں ہوتا۔ ہمارے دو ماہ کے قیام میں وہاں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا اور نہ ہی ہم نے کوئی جرم دیکھا۔ پولیس بڑی مستعد نظر آتی ہے۔ ان کی گفتگو ملائم اور نرم الفاظ میں ہوتی ہے' وہ اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات نہیں کرتے۔ اگر جرم واضح اور اس میں کسی طرح کا شک نہ ہو تو کوئی گزارش یا سفارش نہیں مانی جاتی۔ رشوت کا کوئی سوال نہیں۔ دیواروں پر اشتہار نہیں لگائے جاتے' نہ بینر آویزاں کیے جاتے ہیں اور نہ وال چاکنگ ہوتی ہے۔ عمارتوں کی دیواریں صاف ستھری ہیں۔

یہاں محنت کرنے یا ہاتھ سے کام کرنے میں عار محسوس نہیں کی جاتی۔ ہماری طرح مزدور عام نہیں ملتے۔ ہر کسی کا معیارِ زندگی بہتر ہے۔ چھوٹے ملازموں کے پاس بھی اپنی کاریں ہیں۔ باڑ کاٹنے والا' ڈسٹ بن صاف کرنے والا' دفتر یا عمارت کی صفائی کرنے والا ہر کوئی اپنی کار میں آتا ہے۔ یہاں کاروں کی قیمتیں بہت کم ہیں۔ تھوڑی تنخواہ پانے والا بھی اپنی ایک مہینے کی تنخواہ میں گاڑی خرید سکتا ہے۔ ایک آدمی کئی کئی جگہوں پر کام کرتا ہے اور فراخ روزی کماتا ہے۔ کاریں یہاں لاتعداد ہیں۔ ہر طرف مختلف ماڈلز کی کاریں نظر آتی ہیں۔ شہر کی یہ آبادی سمندر سے تقریباً دس میل دور ہے۔ ہم سمندر کا کنارہ دیکھنے کے لیے نکلے۔ کنارے پر پہنچے تو وہاں بڑی رونق تھی۔ ایک بہت بڑی کشتی یہاں موجود تھی جو سیر پر آنے والوں کو سمندر میں دور تک لے جاتی تھی' اس کو ferry کہتے ہیں۔ لوگ اپنی کاروں میں یہاں آتے ہیں۔ وہ کشتی اتنی بڑی ہے کہ لوگ اپنی کاروں سمیت کشتی کے اندر چلے جاتے ہیں۔ بیک وقت تیس کاریں اس کشتی کے اندر سوار ہو جاتی ہیں۔ فیری ان کو سمندر کے اندر ایک جزیرے میں لے جاتی ہے جہاں سمندر کا لمبا کنارہ ہے۔ لوگ مختلف جگہوں پر اترتے ہیں' ساحل کا نظارہ کرتے ہیں اور پھر فیری میں سوار ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔

ہم فیری کے ذریعے جزیرے پر پہنچے' ایک جگہ ٹھہرے۔ وہ بے آبادسی جگہ تھی مگر وہاں بیٹھنے کے لیے لکڑی کی کرسیاں تھیں۔ ایک طرف عمدہ باتھ تھا جس میں نہانے کا بندوبست تھا' وضو بھی کر سکتے تھے۔ ساری زمین گھاس کے ساتھ ڈھکی ہوئی تھی۔ ہم نے وہاں سمندر کے کنارے مغرب کی نماز باجماعت ادا کی۔ سمندر کا پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا جزیرے کے کنارے کے ساتھ ٹکرا رہا تھا۔ وہاں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا۔ اس بے آباد جگہ پر بھی ڈسٹ بن پڑے تھے۔ لوگ فضول چیزیں اس میں ڈالتے ہیں۔ ہماری موجودگی میں ایک شخص عمدہ گاڑی پر سوار وہاں آیا اور ڈسٹ بن صاف کر کے لے گیا۔ ہم دوبارہ واپس آئے۔ اپنی گاڑی سمیت فیری میں سوار ہوئے اور کنارے پر آ کر اترے' جہاں خوبصورت عمارتیں تھیں' ان میں ہوٹل وغیرہ اور خریداری کے مراکز تھے' ملکی اور غیر ملکی لوگ وہاں سے خریداری کرتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ فیری کی یہ سروس ہر شخص کے لیے بالکل فری ہے۔ اس

تفریحی سیر کے بعد ہم چمکتی دمکتی روشنیوں میں واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔

شہر سے تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلے پر ایک عجیب وغریب تفریحی مقام ہے‘ جہاں ریل کی مانند ایک سواری چکر لگاتے ہوئے فضا میں اونچی گھومتی ہے‘ لوگ اس میں سوار ہوتے ہیں۔ وہ سواری اس طرح تیزی کے ساتھ چلتی ہے کہ بیٹھے ہوئے لوگ کئی بار الٹے سیدھے ہوتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو ڈر لگتا ہے لیکن بیٹھے ہوئے لوگوں کو مضبوطی کے ساتھ سیٹوں سے باندھ لیا جاتا ہے‘ اس لیے گرنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وہاں عجیب طریقے سے چلنے والی کئی گاڑیاں تھیں‘ پھر بھی لوگوں کو سوار ہونے کے لیے لائن میں لگنا پڑتا تھا اور بعض اوقات گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ یہاں داخلے کا ٹکٹ ۶۷ ڈالر فی کس تھا۔ ہم نے گاڑی کھڑی کی تو پارکنگ فیس پندرہ ڈالر تھی۔ ہمارے ساتھ بچے بھی تھے اور بڑے بھی۔ کچھ افراد سواری میں سوار ہوئے۔ بعد ازاں وہاں کھانا کھایا اور آدھی رات کے بعد وہاں سے واپس آئے۔

اس تفریحی مقام سے واپسی کے سفر میں دیہاتی اور زرعی علاقے بھی آئے جہاں لہلہاتی فصلیں بھی تھیں۔ فصلوں کے درمیان کاشتکاروں کے مکان تھے جن کے پاس ان کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بجلی یہاں دور دراز علاقوں کو جگ مگ کر رہی تھی۔ راستے میں کچھ کچھ فاصلے پر آرام گاہیں تھیں۔ جس آرام گاہ میں ہم رکے وہاں ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔ صاف ستھرے ایئر کنڈیشنڈ کمرے تھے۔ نہانے دھونے کا انتظام تھا۔ وہاں زائرین کی دلچسپی کے لیے پرانی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ دو لالٹینیں جل رہی تھیں‘ ایک پرانی توپ بھی تھی۔ وہاں ایک خودکار مشین تھی جس میں بڑی چھوٹی مشروب کی بوتلیں تھیں۔ لوگ اس میں پیسے ڈالتے اور ضرورت کی بوتل کا اشارہ دیتے تو وہ بوتل خود بخود باہر آ جاتی۔ اگر اس میں بڑا نوٹ ڈالتے تو باقی پیسے بھی واپس نکل آتے۔

جس طرح گندے پانی کے نکاس کا انتظام زیرزمین ہے اسی طرح آبادی کے اندر نہ بجلی کے پول ہیں اور نہ تاریں بکھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ بجلی کی ترسیل کا تمام نظام زیرزمین بچھی ہوئی تاروں کے ذریعے ہے۔ بجلی کے میٹر مخصوص جگہوں پر لگائے گئے ہیں جو خاص انداز میں نصب کیے گئے ہیں اور بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

جگہ جگہ کوڑے دان پڑے ہیں۔ لوگ ان میں گندی‘ بے کار اور ردی چیزیں ڈال دیتے ہیں۔ یہاں لوگ صرف ضرورت کی چیزیں گھر میں رکھتے ہیں‘ فضول چیزوں کو کوڑے دان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ایسی چیزیں جو کوڑے دان میں نہ ڈالی جا سکیں وہ وہاں پاس رکھ دیتے ہیں۔ لوگ کوڑے دانوں کے پاس استعمال میں نہ آنے والے صوفے‘ کرسیاں‘ گدے اور اس طرح کی پرانی چیزیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک جگہ ایک بڑا سا ٹیلی ویژن بھی پڑا تھا۔

یہاں کے لوگوں کی مذہب کے ساتھ وابستگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ مقامی باشندوں کے علاوہ

یہاں ہر طرح کے لوگ ملتے ہیں۔ جس طرح لباس کے معاملے میں لوگ آزاد ہیں اسی طرح رسم و رواج بھی اپنے اپنے ہیں۔ کسی معاملے میں بھی ایک دوسرے پر اعتراض کرنے کا رواج نہیں ہے۔ صرف ملکی قوانین کی پابندی ہر ایک پر لازمی ہے۔ ہمارے قریب ایک مسلمان کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا‘ اس کی بیوی غیر مسلم تھی۔ ان کے دو بچے تھے‘ وہ دونوں بھی مسلمان نہ تھے۔ لوگ کتے اور بلیاں پالتے ہیں‘ ان کے ساتھ پیار کرتے اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔ ہر جگہ صفائی ستھرائی نظر آتی ہے‘ مگر غیر مسلم لوگ جسمانی صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ کھانے پینے کی جو چیزیں مسلمانوں کے ہاں حرام ہیں وہ چیزیں بھی عام فروخت ہوتی ہیں۔ گوشت وغیرہ خریدنے میں مسلمانوں کو بڑی احتیاط کرنا پڑتی ہے۔

یہاں پٹرول پمپ موجود ہیں مگر وہاں کوئی ملازم نہیں ہوتا جو گاڑی میں پٹرول ڈالے۔ گاڑی والا خود گاڑی سے اترتا ہے‘ ضرورت کے مطابق پٹرول اپنی گاڑی میں ڈال لیتا ہے اور وہاں پڑی ہوئی ایک مشین میں کریڈٹ کارڈ ڈالتا ہے‘ جس کے ذریعے قیمت ریکارڈ ہو جاتی ہے۔ پورے مہینے میں استعمال شدہ پٹرول کی رقم بینک اکاؤنٹ سے منہا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بجلی کا بل اور دوسرے بل بھی کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ادا ہو جاتے ہیں اور کسی بل کے جمع کرانے کے لیے نہ بینک میں جانا پڑتا ہے اور نہ لائن میں لگنا پڑتا ہے۔

یہاں صاف ستھرے واش روم ہیں مگر استنجا کرنے کے لیے پانی نہیں ہوتا۔ بس ٹشو پیپر موجود ہوتے ہیں جو صفائی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی صفائی پانی کے ساتھ صفائی کی طرح نہیں ہو سکتی۔ ایسی جگہوں پر جو واش بیسن لگائے گئے ہیں ان میں اکثر پانی کی ٹونٹیاں خودکار ہیں۔ ان کے نیچے ہاتھ کریں تو ان میں سے خود بخود پانی نکلتا ہے‘ ہاتھ ہٹالیں تو پانی بند ہو جاتا ہے۔ وہاں تولیے نہیں ہوتے بلکہ ہاتھ صاف کرنے اور گیلے بازو خشک کرنے کے لیے مشینیں موجود ہیں جو خودکار طریقے سے ٹشو پیپر نکالتی ہیں یا گرم ہوا دیتی ہیں‘ جس سے ہاتھ خشک ہو جاتے ہیں۔

یہاں چوری ڈکیتی کا کوئی ڈر نہیں۔ استعمال کی چیزیں‘ بچوں کے سائیکل‘ جوتے اور دوسری چھوٹی موٹی چیزیں گھر کے دروازے کے باہر پڑی رہتی ہیں‘ مگر کوئی انہیں نہیں اٹھاتا۔ بچوں کا ٹرائی سائیکل ہمارے گھر کے باہر پڑا رہا‘ کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ تمام گھر چونکہ ایک جیسے تھے‘ لہٰذا وہ سائیکل گھر پہچاننے میں ہمارا راہنما رہا۔ چونکہ چوری کا خطرہ نہیں ہوتا اس لیے کسی چوکیدار یا سکیورٹی گارڈ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ قانون پر سختی سے عمل درآمد کی وجہ سے چوری نہیں ہوتی۔

گھر کی کوئی چیز ریڈیو‘ ٹی وی وغیرہ خراب ہو جائے تو اسے شاذ ہی مرمت کرواتے ہیں‘ کیونکہ مرمت کروانا بہت مہنگا ہے۔ مزدوریاں بہت زیادہ ہیں۔ اکثر مزدور فی گھنٹہ کے حساب سے کام کرتے ہیں۔ یہاں مہنگائی بہت زیادہ ہے مگر لوگ مہنگائی کا شکوہ نہیں کرتے‘ کیونکہ ان کی آمدنیاں بھی بہت

ہیں۔ ملازموں کی تنخواہیں بھی بڑی بڑی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں نسبتاً سستی ہیں۔ دوسری چیزیں بہت مہنگی ہیں۔ ایک عام سی تیار قمیص تقریباً بیس ڈالر اور اچھی قمیص ساٹھ‘ ستر ڈالر میں ملتی ہے۔

یہاں آوارہ کتے نہیں ہیں‘ مگر یہاں کے باشندوں میں سے کچھ نے کتے پال رکھے ہیں جنہیں وہ گود میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان پر ہاتھ پھیرتے اور پیار کرتے ہیں۔ باہر نکلیں تو کُتّا ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مسلمان اس سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ خونخوار جانور گندا اور غلیظ ہوتا ہے۔ اگر کسی کو کاٹ جائے تو اس کا زخم بعض اوقات جان لیوا ثابت ہوتا ہے مگر یہاں کے لوگ اس بات سے غافل ہیں۔

یہاں گداگر نہیں ہیں۔ لوگ محنت کے عادی ہیں۔ اگر کوئی شخص سخت مجبور ہو جائے تو وہ ایک گتے کے ٹکڑے پر اپنا سوال لکھ دیتا ہے اور سڑک کے کنارے کسی مناسب جگہ پر وہ گتّہ پکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کوئی مخیّر راہ گیر اس کی مدد کر دیتا ہوگا۔ مگر دو ماہ میں ہم نے ایسے آدمی صرف دو ہی دیکھے ہیں۔

سڑک کی تعمیر کے لیے اگر کوئی لین بند کرنا پڑے تو ہفتہ عشرہ پہلے ہی سڑک پر بورڈ لگا دیا جاتا ہے کہ اس سڑک کی فلاں لین تعمیر کے کام کی وجہ سے بند رہے گی‘ تاکہ اس راستے سے گزرنے والے مطلع ہو جائیں اور گاڑیوں والے متعلقہ لین بند ہونے سے پہلے متبادل راستہ اختیار کر لیں اور اچانک کسی کو لین بند نہ ملے۔ یہاں ریلوے لائن پر پھاٹک نہیں ہیں‘ اس کی بجائے ٹریفک لائٹ لگی ہیں جو گاڑی گزرنے کے وقت خودکار طریقے سے روشن ہو جاتی ہیں اور راستہ بند ہو جاتا ہے۔ کوئی ملازم ریلوے کراسنگ پر مقرر نہیں جو راستہ بند کرتا ہو۔

یہاں مہنگائی بہت زیادہ ہے‘ اس لیے یہاں قیمتی چیزیں نقد خریدنے کا رجحان بہت کم ہے۔ لوگ ہر چیز قسطوں پر خریدتے ہیں اور سالہا سال تک آسان قسطیں ادا کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص قسطیں ادا نہ کر سکے تو اس کی ادا کی ہوئی قسطیں ضبط کر لی جاتی ہیں اور خریدی ہوئی چیز بھی واپس لے لی جاتی ہے۔

یہاں اکثر مکانات کی چھتیں ڈھلوان ہیں‘ شاید اس لیے کہ وہاں کبھی کبھی برفباری بھی ہوتی ہے۔ ڈھلوانی چھتوں سے برف نیچے گر جاتی ہے‘ چھت پر جمتی نہیں۔ چھتوں پر پانی کی ٹینکیاں نہیں ہیں۔ گھروں میں ہر وقت رات دن پانی آتا رہتا ہے جو گراؤنڈ فلور اور فرسٹ فلور پر وافر ملتا ہے۔

شاید یہاں سگریٹ نوشی قانوناً جرم ہے یا لوگوں میں اس کا رجحان نہیں ہے۔ ہم نے یہاں آبادی کے اندر‘ سڑکوں پر‘ گاڑیوں میں‘ خریداری کے مراکز میں‘ کہیں بھی کسی مرد یا عورت کو سگریٹ نوشی کرتے نہیں دیکھا‘ حالانکہ یہاں ہر مذہب وملت اور رنگ ونسل کے لوگ ملتے ہیں۔

ہم یہاں آبادی کے اندر بھی گھومے پھرے ہیں اور بڑے بڑے خریداری مراکز بھی دیکھے ہیں

مگر کسی جگہ بھی نہ ریڈیو کی آواز سنی اور نہ ٹیلی ویژن چلتے ہوئے دیکھے۔ یہاں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو چودہ سال سے کم عمر کے بچوں کو فروخت نہیں کی جاسکتیں‘ مثلاً سگریٹ یا شراب وغیرہ۔ اگر کوئی دکاندار ایسا کرے تو اسے سخت سزا دی جاتی ہے۔ قانون کی عمل داری کی وجہ سے یہاں جرائم کی کمی ہے اور ہر جگہ نظم وضبط ہے۔

یہاں بہت سی پاکستانی فیملیز رہ رہی ہیں‘ جن میں اکثر وہ ہیں جنہوں نے ایمیگریشن کے ضابطے پورے نہیں کیے ہوئے اور وہ غیر قانونی طور پر رہ رہی ہیں‘ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ سالہا سال سے یہاں اپنے پاکستان میں رہنے والے عزیز واقارب سے دور ہیں اور کمائی کے لالچ میں اتنا کرب برداشت کر رہے ہیں۔ ایک پاکستانی عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ یہاں رہ رہی ہے‘ جبکہ اس کا شوہر پاکستان میں ہے‘ نہ اس کا شوہر یہاں آسکتا ہے اور نہ وہ پاکستان جاسکتی ہے۔ شوہر بھی تجرد کی زندگی گزار رہا ہے اور بیوی بھی۔ جو لوگ یہاں غیر قانونی رہ رہے ہیں وہ پاکستان جائیں تو پھر واپس یہاں نہیں آسکتے۔ اس قسم کے تلخ مشاہدات یہاں کثرت سے ہیں۔

یہاں بینکوں کے باہر ATM قسم کی بڑی بڑی مشینیں ہیں۔ لوگ گاڑیوں میں رقم نکلوانے یا جمع کرانے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ مشین کے سامنے گاڑی روکتے ہیں اور گاڑی میں بیٹھے بیٹھے کارڈ مشین میں ڈالتے ہیں اور ایک منٹ میں مطلوبہ رقم مل جاتی ہے‘ اور اگر پیسے جمع کرانے ہوں تو ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کو Drive through Banking کہا جاتا ہے۔

ہماری ایک دعوت Persian Grill میں ہوئی‘ جہاں ہر شخص کے سامنے menu کی کاپی رکھی جاتی ہے‘ جس میں بہت ورائٹی ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کھانے کی فہرست سے کھانے کا انتخاب کرتا اور وہی کھانا اس کے سامنے لاکر رکھ دیا جاتا۔

ہم نے وہاں رمضان میں تراویح کی نمازیں پڑھیں‘ کسی مسجد میں بیس اور کسی میں آٹھ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ ہر مسجد میں روزانہ افطاری کا انتظام ہوتا تھا‘ جہاں مسلمان اپنے بال بچوں سمیت آتے‘ افطاری کرتے‘ نماز مغرب پڑھتے اور پھر کھانا کھاتے۔ کھانا یہاں بھی قطاروں میں لیا جاتا۔ رمضان میں کئی مساجد میں شبینہ کا انتظام تھا۔ ہر مسجد میں چند لوگ اعتکاف میں بھی بیٹھے۔ عید الفطر کا دن آیا تو کوئی جوش وخروش نہ تھا‘ نہ ہی چھٹی تھی۔ مسلمان اپنے اپنے گھروں میں عید منا رہے تھے۔ مرد قریب کی مسجد میں نماز عید کے لیے حاضر ہوئے‘ جہاں انگریزی میں خطاب تھا۔ پھر نماز کی دو رکعت ادا کی گئیں۔ وہاں ہم نے بے رونق عید گزاری اور تین دن مزید رہ کر واپسی کا سفر اختیار کیا۔

بقیہ : عرضِ احوال

فحاشی پھیلانے والا میڈیا آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔ جہاں تک اس شقی القلب مجرم کا تعلق ہے اسے عبرتناک سزا دینے کے معاملے میں دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں۔ اسے چوراہے میں پھانسی لگایا جائے‘ اس کا سرتن سے جدا کیا جائے‘ اسے سنگسار کیا جائے‘ سب کچھ درست ہے‘ لیکن اصل مسئلہ تو ہے ایسے واقعات کے تدارک کا‘ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عریانی فحاشی اور بے حیائی کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ اس حوالہ سے واضح رہنا چاہیے کہ بے پردگی بے حیائی کی طرف پہلا قدم ہے۔ ہماری رائے میں لاہور میں ہونے والے واقعہ پر الیکٹرانک میڈیا پر سیکولر عناصر کا واویلا چور مچائے شور کے مترادف ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے‘ وہ انسان کو اس جذبے کی تکمیل کے لیے مختلف سہولتیں فراہم کرتا ہے تاکہ یہ کنٹرول میں رہے اور انسان صراطِ مستقیم پر چلے۔ وہ شادی کو آسان بنانے اور مختلف پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت بھی مرحمت کرتا ہے‘ کیونکہ مرد اس حوالے سے جارحانہ رویہ رکھتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر کسی کی شادی بوجوہ نہ ہو سکے تو اسے روزے رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ جنسی خواہش کو کنٹرول کرنا آسان ہو جائے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ جنسی بے راہروی کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔ ان تمام اقدامات کے باوجود اگر کوئی مرد اور عورت زنا میں ملوث پائے جائیں تو انہیں غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں کوڑوں اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں سنگسار کر دینے کی سزا ہے‘ تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں اور کوئی جنسی بے راہ روی کا نہ سوچے۔ پاکستان کے سیکولر طبقے کی تضادِ فکری کا عالم یہ ہے کہ ایک طرف وہ ایسی جنسی بربریت جس کا مظاہرہ چند روز پہلے لاہور میں ہوا ہے اس پر واویلا بہت کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام معاشرے کی تطہیر کے لیے جو ایسے جرائم کی عبرت ناک سزائیں نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے انہیں‘ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ‘ وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں۔ ہماری رائے میں معاشرے کے سنورنے اور بگڑنے کا انحصار اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے اور نہ کرنے سے ہے۔ یورپ و امریکہ کا معاشرہ ہمارے سیکولر لوگوں کے لیے آئیڈیل معاشرہ ہے‘ لیکن جو لوگ بھی غور و فکر کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پس پردہ حقائق سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ مغربی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔ مال و دولت کی ریل پیل اور زندگی میں ایسی سہولتیں رکھنے کے باوجود کہ عقل عاجز آ جاتی ہے پھر بھی وہاں سکون اور اطمینان اور ذہنی و قلبی فقدان کا وہ عالم ہے کہ خودکشی عام ہے‘ نیند کی گولیاں کھائے بغیر سونا محال ہے۔ طلاق عام ہے۔ اس بے چینی اور بے سکونی کو دور کرنے کے لیے شراب کا بے تحاشا استعمال ہے جو مزید فساد کا باعث بنتی ہے۔ اور ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نقل کرتے ہوئے عقل استعمال نہیں کرتے‘ لہٰذا انسانی معاشرہ عالمی سطح پر بحیثیت مجموعی وہ صورت اختیار کر چکا ہے جسے اللہ رب العزت قرآن حکیم میں ’’ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ‘‘ قرار دے چکا ہے۔ ☆☆☆

بقیہ: احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ

’’اس بات پر ہمارا ایمان غیر متزلزل ہے کہ اسلام ہی نے یہ ملک بنایا تھا اور اسلام ہی اسے بچا سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ اس ملک میں اسلامی تعلیمات اور قوانین کو نافذ کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارا دینی فریضہ بھی ہے اور ملکی آئین کا اہم ترین تقاضا بھی ہے۔‘‘

انہوں نے درست کہا کہ یہ اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے‘ لیکن انہیں بھی معلوم ہے کہ حکومت نے تو یہ کام کرنا نہیں۔ ۶۵ سال سے یہ مجرمانہ غفلت کا معاملہ جاری ہے‘ لہٰذا اگلا نکتہ انہوں نے یہ بیان کیا:

’’پاکستان کی تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے مقاصد پر نفاذِ شریعت کے مطالبے کو اوّلیت دے کر حکومت پر دباؤ ڈالیں اور اس غرض کے لیے مؤثر مگر پُرامن جدّوجُہد کا اہتمام کریں۔ اور عوام کا فرض ہے کہ جو جماعتیں اور ادارے اس مقصد کے لیے جدوجہد کریں‘ ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔‘‘

پاکستان میں نفاذِ شریعت کے حوالے سے یہ راستہ انہوں نے تجویز کیا ہے اور یہ وہی راستہ ہے جو تیس سال پہلے بانی تنظیم اسلامی نے نہ صرف پیش کر دیا تھا‘ بلکہ اس کے لیے مسلسل کوششیں بھی کرتے رہے تھے۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں اگرچہ دینی نہیں کہلاتیں‘ لیکن بہرحال مسلمان تو ہیں‘ چنانچہ اصولی طور پر بحیثیت مسلمان پاکستان کی تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کی اولین ذمہ داری اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی جدّوجہد ہے۔ تاہم سیکولر جماعتوں سے ہم کیا توقع کریں‘ اصل ذمہ داری دینی جماعتوں کی ہے کہ وہ اسے اولین ترجیح بنائیں اور مذکورہ بالا طریق پر تحریک برپا کریں۔ اگر وہ مل کر یہ کام کریں گے تو یقیناً اللہ کی نصرت سے کامیابی بہت جلد حاصل ہوگی‘ ورنہ ہم تو اس کے لیے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک بہت بڑے مکتبہ فکر نے اس طریقہ کار کی تصویب فرمائی ہے۔ باقی یہ الگ معاملہ ہے کہ اس کی طرف پیش رفت میں کیا رکاوٹ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ رکاوٹیں جلد دور ہوں اور اس کی طرف واقعی ہم سب مل کر پیش قدمی کریں تو ان شاء اللہ پھر دنیا کی کوئی طاقت ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راہِ عمل کی طرف بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہندؒ اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلام "امام الہند" کیوں نہ بن سکے؟
- "حزب اللہ" اور "دارالارشاد" قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا "عبقری وقت" کانگرس کی نذر کیوں ہو گیا؟
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں؟
- کیا اقامت دین کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے؟
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے؟

علماءِ کرام اب بھی 'متحد' ہو جائیں تو 'اسلامی انقلاب' کی منزل دُور نہیں!

○ فرائضِ دینی کا جامع تصور ○ رجم ○ عورت کی دیت اور دیگر مسائل پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی معرکۃ الآراء تحریروں اور خطبات کے علاوہ مؤرخِ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجر کابل قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا محمد زکریا، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماءِ کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مبسوط مقدّمے کے ساتھ

یہ کتاب کچھ عرصے سے آؤٹ آف پرنٹ تھی۔ اب اس کا نیا ایڈیشن جدید کمپیوٹر کمپوزنگ، خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہو گیا ہے!

ضخامت 620 صفحات قیمت 500 روپے

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501(042)
فیکس: 35834000(042) ای میل: maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org